

✓ 16/06/08

بَابُ سَهَائِلِ

پہلا محاضرہ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری

استاذِ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ	صفحہ
۱۸	۴ ادیان سابقہ اور دین اسلام میں فرق
۱۹	۷ رسوم و بدعات رائج ہونے کے اسباب
۲۰	۹ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات
۲۲	۱۱ تقویہ الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ
۲۳	۱۲ اکابر دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ
۲۴	۱۳ پروپیگنڈے کا مقصد
۲۵	۱۴ خاں صاحب کے کچھ حالات
۲۶	۱۵ خاں صاحب کی تیز مزاجی اور دشنام طرازی۔
۲۷	۱۶ خاں صاحب کی تکفیری ہم کی مفصل تاریخ
۲۸	۱۷ انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف
۲۹	۱۸ خاں صاحب کی جنگ
۳۰	۱۹ ندوۃ العلماء کے بعد اکابر علماء دیوبند پر نظر غایت
۳۱	۲۰ صرف نظر کا فیصلہ
۳۲	۲۱ خاں صاحب کی فریب کاری اور حام الحسین کا فتہ
۳۳	۲۲ اکابر علماء دیوبند کا مداخلت اور جواب کا فیصلہ
۳۴	۲۳ فرنگی محل اور بدایونی علماء کی باری
۳۵	۲۴ خاں صاحب کے بعد ان کی ذریت کا رویہ
۳۶	۲۵ خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات اور خاں صاحب کی انگریز دوستی
۳۷	۲۶ خاں صاحب کا وصال
۳۸	۲۷ خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف

صفحہ	صفحہ
۳۳	۳۰
۳۵	۳۱
۳۶	۳۲
۳۷	۳۲
۳۷	۳۳
۳۷	۳۴
۳۸	۳۵

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
سہارنپوری

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

حضرت مولانا تقی حسن صاحب
چاندپوری

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب
صفدر

رضا خانیت کے رد میں اہم کتابیں

سلسلہ رضا خانیت کی اہم شخصیات کا
تعارف

رضا خانیت و بریلویت

رضا خانیت کی تردید میں کام کرنے
والے حضرات

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی

۴

۴

۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَدَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى
الدِّينِ كُلِّهِ، وَالْمَقْلُودَ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الَّذِي بُعِثَ شَاهِدًا
وَمُبَشِّرًا وَمَنْذِرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ، وَعَلَى الْإِبْرَةِ وَأَعْيَادِهِ
وَعِلْمَاءِهِ أَمْتِهِ، وَالَّذِينَ اشْبَعُوهُمْ بِالْحَسَنِ إِلَى يَوْمِ لِقَائِهِ

امتاجعد ۱

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
سے پہلے جب بھی لوگوں میں علی اور اعتقادی گراہی پھیلی ہے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت
اور اصلاح کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا ہے، مگر اللہ کے پیغمبر جب بھی ہدایت کا پیغام لے کر
اس دنیا میں آئے ہیں تو شیاطین الانس والجن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ لوگ نہ ان کی بات
مانیں نہ ہدایت قبول کریں بلکہ وشرک کے ذل وذل میں پھنسے رہیں۔ ارشاد خداوندی ہے،

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ
الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى
بَعْضٍ وَخَرَجْتَ الْقَوْلَ عَزْزًا.

(سورہ انفاس آیت ۸)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت
سے شیاطین انسانوں میں سے اور جنات میں سے
بنائے جن میں سے بعض بعض کے دلوں میں
چکنی چڑی باتوں کا دوسوسہ ڈالتے رہتے تھے
تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈالیں۔

لیکن جب اللہ جل شانہ کی توفیق سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تو شیاطین نے دوبارہ کوشش
کی کہ ان کو ہدایت کے بعد گمراہی کے جال میں پھنسا دیں، یہود و نصاریٰ اور دوسری بگڑی ہوئی امتوں
کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔

اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اولاً شیاطین الانس والجن نے کوشش کی کہ کوئی آپ کی بات نہ مانے اور نہ کوئی ایمان لائے۔ مگر اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نور توحید کا پھیلنا مقدر ہو چکا تھا۔ سورہ صفت میں ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ
وَاللَّهُ يُمْسِكُ نُورَهُ وَاللَّهُ لَكَافِرٌ
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
وَاللَّهُ لَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ

آیت ۱۷

دشمنان اسلام چاہتے ہیں کہ نور الہی کو اپنی
بھونکوں سے بجھادیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی مکمل
مفسر بنا کر رہیں گے۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار
ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور
دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو تمام
ادیانِ باطلہ پر غالب کر دیں، خواہ مشرکوں کو کتنا
ہی برا معلوم ہو۔

اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب میں اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے حصوں میں
آپ کا لایا ہوا دین حق پھیل گیا۔ اور بتدریج ان خدا کی بڑی تعداد نے کفر و شرک چھوڑ کر آپ کی دعوت پر
دین حق کو قبول کر لیا۔ تو شیاطین الانس والجن نے پھر تبدل کر محنت شروع کی، تاکہ آپ کی امت
کو ایمان و تقویٰ کے راستے سے ہٹا کر الماد و شرک اور فسق و فحور کی گھلجھور گھاٹیوں میں پہنچا دیں
اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے
کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کی طرح گمراہی کے جال میں پھنستے رہیں گے، حدیث کی
اکثر کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

كَتَبْتُ عَنْ سَنَنْ مَنْ قَبْلَكَ مَشْبُورًا بِشَبْرٍ وَفَرَاغًا مِنْ دَلْعٍ، (مشکوۃ مشرق ص ۲۰۸)
جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ گزشتہ امتوں کی بالکل قدم قدم پر دی کر نیچے
یعنی جو گمراہیاں اور بد اعمالیاں یہود و نصاریٰ وغیرہ گمراہ امتوں نے اپنائیں ہیں۔ آپ کی امت کے بھی
کچھ لوگ ضرور ان کو اپنائیں گے۔

لیکن ایمان سابقہ اور دین اسلام میں دو امتیاز
ادیان سابقہ اور دین اسلام میں فرق سے فرق ہے۔ پہلا فرق

یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے چوں کہ سلسلہ نبوت ختم نہیں ہوا تھا، اس لیے
 انبیاء کرام وقتاً فوقتاً مبعوث ہو کر اُمم سابقہ کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے
 اور احبار و علماء ان کا تعاون کرتے تھے لیکن خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بعثت پر چوں کہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لیے امت کی اصلاح کی پوری ذمہ داری و ذمہ داری انہیں
 اور مہدیین امت پر ڈالی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

يُحْمِلُونَ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوٍّ لَهُ
 يَنْفَعُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْعَالِينَ وَاسْتِعْجَالَ
 الْبُطْلَانِ وَقَاتِلُوا الْجَاهِلِينَ،
 (مشکوٰۃ ص ۲)
 ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل
 ایسے مادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے
 غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے
 غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور رکھتے
 رہیں گے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ،

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الرَّقَّةِ
 عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يَجِدُّ
 لَهَا دِينَهَا (حوالہ سابق)

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ایمان سابقہ کی حفاظت کی ذمہ داری علماء اور احبار پر ڈالی گئی
 تھی مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَانَ فِيهَا هُدًى
 وَنُورٌ فَعَلِمَ بِهَا الَّذِينَ أَنْزَلْنَا
 الْكِتَابَ الَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبِّيُّونَ
 وَالنَّصَارَى مِمَّا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ
 اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ
 ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت
 اور روشنی تھی، انبیاء جو کہ اللہ کے فرما پر دار تھے
 اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور
 اہل اللہ اور علماء بھی اس وجہ سے کہ ان کو اس
 کتاب (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا

(سورۃ مائدہ ص ۱۷۷)

معا اور وہی اس کتاب پر گواہ بھی تھے۔

اس لیے جب تک علماء واجار نے اپنی ذمہ داری محسوس کی، ادیان سابقہ معفوئہ رہے۔ اور جب دنیا پرست ملتہ واجار کا غلبہ ہوا تو اللہ کی کتاب میں تعریف ہو کر تمام ادیان سابقہ مسخ ہو گئے۔ اور دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے خود لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے،

إِنَّمَا نَحْنُ مُرْسِلَتَا الذِّكْرِ وَإِنَّا لَهُ لَنُحْفِظُونَ

بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

(سورۃ حجر آیت ۹)

اس لیے جبکہ اللہ اس کا تو اطمینان اور پورا اطمینان ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، اور قیامت تک یہ دین محمدی اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی رہے گا البتہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ اہل باطل نئی نئی رسمیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کریں گے بلکہ بہت سے جاہلوں کی گمراہی کا سبب بھی بنیں گے۔

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمدن و
رسوم و بدعات رائج ہونے کے اسباب معاشرت کا ایک فطری اصول ہے کہ جب

مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سر ڈال دیتی ہے۔ مسلمان جب تک غالب اور فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی توجہ نہ رہی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے، لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہو گئی، اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا دلور نہ رہا، تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے۔ دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے۔ اس اجنبی اثر پذیر کی کیفیت سب اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے رسوم و رواج کو دینی حیثیت دے دی جاتی ہے اور اس کے جواز و استحسان کے ثبوت پیش کیے جاتے ہیں، یہی راز ہے کہ ہمسرہ علاقہ کے

مسلمانوں میں الگ الگ رسوم و بدعات رائج ہیں۔ ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں۔ اور مصر و شام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں۔ ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا، مگر افسوس ہے کہ ان نو مسلموں کی دینی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ اہتمام نہ ہو سکا۔ اس لیے جو لوگ ہندو مذہب چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے سابقہ رسم و رواج سے آزاد نہ ہو سکے، بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاف کی بنا پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی ہندوانہ رسمیں در آئیں۔ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلاف شرع رسمیں پائی جاتی ہیں، اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں، وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں۔ جیسا کہ ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ صلیبی نے "تحفۃ الہند" میں تحریر فرمایا ہے،

"میرا مقصد یہ نہیں کہ خدا نخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور بنیہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میری مراد ان رسوم و عادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں۔ بلکہ ہندو معاشرہ میں ملتا ہے۔ بہت سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی مسلمان وہاں بہت قلیل تعداد میں تھے، اور ان کو اسلامی تسلیم و تربیت کا موقع میسر نہیں آتا تھا، ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کرم بھی کیا سکتے تھے،" لے

علاوہ ازیں ہمارے اس ملک ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت زیادہ تر صوفیاء کرام کے ذریعہ ہوئی ہے، جو اللہ کے بڑے مخلص بندے اور توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، یہاں کے جن لوگوں نے ان کی دعوت اور ان کی خدا پرستانہ اور پاکیزانہ زندگی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا، شیطان نے ان کے بارے میں اندازہ کر لیا کہ وہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور کھلے انداز میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس لیے اس نے ان میں گمراہی پھیلانے

کے لیے وہ حربہ استعمال کیا جس کا وہ عیسائیوں اور دوسرے معین طبقوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب تجربہ کر چکا تھا۔ اس نے ان کے دل میں ڈالا کہ یہ بزرگانِ دین خدا کے لاڈلے ہیں، خدا نے ان کو بہت سے اختیارات سپرد کر دیئے ہیں اور یہ خود حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ لہذا ان ہی سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگو، مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان کے نام کا وظیفہ پڑھو، حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاؤ، ان کی قبروں کا سجدہ کرو، نذرین اور منتیں مانو، اور ان کے نام کے مرغے بکرنے قربان کرو، چادر گاگر اور پھول ملا کر دھاؤ، یہ تہاری بگڑی بنادیں گے، اور ناؤ پار لگا دیں گے۔ چنانچہ جن لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت نہ ہو سکی تھی، اور اسلامی توحید کو انھوں نے پوری طرح نہیں سمجھا تھا، انہوں نے اس کو بزرگوں کے ساتھ حقیقت و محبت کا تعلق سمجھا، اور اس طرح ان کو بت پرستی کا اچھا بدلہ بھی مل گیا۔ جس کے وہ اور ان کے باپ دادا ہمیشہ سے عادی تھے۔ یہ ہے مسلمانوں میں رسوم و بدعات کے رواج کی اجمالی تاریخ اور قبہ پرستی اور اولیاء پرستی کے آغاز کی سرگزشت۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات:

امت محمدیہ میں جب سے اس گمراہی کا آغاز ہوا، علماء امت اور مصابین ملت نے اس کے خلاف قلمی اور زبانی جہاد شروع کیا، اور امت کو گمراہیوں سے نکالنے کے لیے بھرپور کوشش شروع فرمائی۔ ہمارے ملک میں جن اکابرینِ امت اور بادیانِ ملت نے اللہ کی توفیق سے مشرکانہ خیالات و اعمال اور رسوم و بدعات سے مسلمانوں کو بچانے میں نیابتِ رسولِ کاقح ادا کیا، ان میں تین حضرات سر فہرست ہیں:

ایک امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجددِ ملت ثانی (متوفی ۹۴۸ھ)۔

دوسرے شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی (متوفی ۱۱۷۱ھ)۔

تیسرے شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید (متوفی ۱۲۳۳ھ)۔

امام ربانی کے مکتوبات میں ایسے بیت سے مکتوبات ہیں جن میں توحید کی تشریح کی گئی ہے اور شرک کی جن اقسام و انواع میں مسلمان مبتلا تھے یا مبتلا ہونے کا امکان اور اندیشہ ستان کے

بارے میں تنبیہ کی ہے۔ دفتر سوم مکتوب ۱۳ میں شرک کی ان سب صورتوں پر خاص طور سے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کے تقریباً ایک صدی بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا اصلاحی اور تجدیدی دور شروع ہوتا ہے، ان کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی جاہل مسلمانوں میں شرک کی وبا عام تھی اس کو دیکھ کر ان کا دل تڑپا تھا، آپ نے اس کا اظہار اپنی مختلف تصانیف میں کیا ہے، یہاں صرف دو حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔

تفہیمات البیہ میں ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں :

وَمِنْ اعْظَمِ الْأَهْوَاءِ فِي زَمَانِنَا هَذَا
عِبَادَتُهُمْ لَشُيُوخِهِمْ أَعْيَاءَ وَلِقُبُورِهِمْ
أَمْوَاتًا وَالْجَهْلَةُ بِمَقْتَدُونِ بِكُفْرَةِ اللَّهِ
فِي أَعْمَالِهِمْ (۲۳/۱)

ہمارے اس زمانے کا سب سے بڑا رोग یہ ہے
کہ جاہل لوگ پیروں کی زندگی میں عبادت
کرتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کی قبروں کو پوجتے
ہیں، اور یہ جاہل مسلمان اپنے اعمال و افعال
میں ہندوستان کے کافروں اور مشرکوں کی
پیروی کرتے ہیں

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مجددانہ شان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ :

كُلُّ مَنْ دَهَبَ إِلَى بَلَدَةٍ أَجْمِيَةٍ
أَوْ إِلَى قَبْرِ سَالِاسْعُودٍ أَوْ مَضَاهَا
لَا يَجِدُ حَاجَةً يَطْلُبُهَا فَإِنَّهُ أَثَمَ أَثَمًا
أَكْبَرَ مِنَ الْقَتْلِ وَالزَّهْنِ لَيْسَ مَثَلُهُ إِلَّا
مَثَلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الصُّوْعَاتِ
أَوْ مَثَلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْكَلَلَاتِ
وَالْعُرَى

جو کوئی اجسیر (خواجہ) میں الدین چشتیؒ کے
مزار پر آیا (ہر پچ) سال اسعد غازی کی قبر پر
یا اس کے شل کسی اور مزار یا درگاہ پر اپنی
کوئی حاجت طلب کرنے کے لیے جائے، تو
اس نے اتنا بڑا گنہ کیا جو خون ناحق اور زنا
سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اس شخص کا حال
بالکل ایسا ہے جیسا پانتوں سے تراشے ہوئے
بتوں اور لات و عزی کی پرستش کرنے والے
کا ہے۔

(تفہیمات البیہ ص ۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کے اس پر جلال ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ان کے زمانہ کے جاہل مسلمانوں میں قبر پرستی اور اولیاء کے مزارات پر جا کے حاجت طلبی کی وبا اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ شاہ صاحب جیسے حکیم و علیم مصلح کی روح تڑپ اٹھی اور ان کے قلب کا فیضان اس طرح ان کی نوک قلم پر آگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کا وصال ۱۱۷۱ھ میں ہوا ہے، اس کے تقریباً چالیس پچاس سال بعد ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمہ کی اصلاحی جدوجہد کا دور شروع ہوتا ہے، آپ نے بھی ہوش سنبھالا تو وہی منظر دیکھا جس نے ان کے دادا کی روح کو تڑپا دیا تھا بلکہ اس سے سمجھتے زیادہ حزاب صورت حال تھی، آپ نے عوام کی اصلاح کے لیے ایک طرف مواظف کا سلسلہ شروع کیا جن کا خاص موضوع توحید و سنت کی طفسر دعوت دینا تھا تو دوسری طرف اردو زبان میں ایک مستقل کتاب ”تقویت الایمان“ تصنیف فرمائی جس میں قبر پرستی وغیرہ شرک کی ان سب شکلوں اور قسموں پر جو جاہل مسلمانوں میں رائج تھیں، اپنے دادا شاہ ولی اللہ صاحب والے جلدانی انداز میں، بلکہ اپنے حیدر علی فاروق اعظم رحمہ کے فاروقی انداز میں کلام کیا۔ اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ اس کے کتنے بندے شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے اجالے میں آئے اور بدعت کی تاریک راہوں میں بھٹکتے ہوئے انسانوں نے سنت کی صاف روشنی میں جنت کا راستہ اپنایا۔

تقویت الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ ”تقویت الایمان“ کی یہ خالص اسلامی توحید شاہ صاحب کے کچھ ہم عصر علماء کو ناگوار محسوس ہوئی اور اولیاء کی محبت میں غلو کرنے والوں نے محسوس کیا کہ جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا وہ بدعات سے تائب ہو جائے گا، مگر ان کے پاس اس کا کوئی توطہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا اور عوام میں خوب پروپیگنڈہ کیا ”تقویت الایمان“ کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی شان میں سخت گستاخیاں کی ہیں تاکہ عوام کتاب اور اس کے مصنف سے بدظن ہو کر اس سے استفادہ کرنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ ہندوستان بھر کے اس وقت کے حامیان بدعت نے اس میں حصہ لیا۔ جن میں علماء، بڈایوں پیش پیش

تھے۔ ماہنامہ ”فاران“ کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ،

”اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر و بیشتر حضرت اسماعیل شہید کے مسلک کے موافق تھے، اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایوں، مفتی ابوالحسن عثمانی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضیٰ گوباسوی، ناسک میں خان بہادر مولوی عبدالفتاح، مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوروی، مراد آباد میں مولوی عبدالقادر چیف، دہلی میں مفتی صدر الدین آزرہ، مولانا فضل امام خیر آبادی، مولانا فضل حق خیر آبادی، منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیر آبادی) مولوی محمد صالح خیر آبادی (برادر مولانا فضل امام خیر آبادی)۔

یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں منصب اقتا، وقضا اور سرسٹرڈاری اور صدر الصدور کے عہدوں پر فائز تھے۔

پھر چودھویں صدی ہجری کے شروع میں پروپیگنڈہ کی اس مہم کا جھنڈا بریلی کے مولوی احمد خاں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انھوں نے داعی توحید و سنت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے خلاف کتابوں کے انبار لگا دیے، جن میں ستر ستر وجوہ سے آپ کو کافر ثابت کیا، اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخی کرنے کا مجرم قرار دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، خاں صاحب کے رسالے۔۔۔ ”الکوئے الشہابیہ“ اور ”سئل الیوف الہندیہ وغیرہ۔

اکابر دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ | پھر یہی حربہ انہوں نے خاندان ولی اللہی کے علمی و روحانی وارثین اور انکے خاص شن دعوت توحید و سنت کے علمبردار اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا اشرف علی

معاویہؓ کے خلاف استعمال کیا۔ ان حضرات کو خاں صاحب نے ختم نبوت کا منکر، اللہ تعالیٰ کا منکذب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے والا قرار دے کر فتویٰ لکھایا کہ یہ سب کافر، مرتد اور واجب القتل ہیں، اور جو کوئی ان کے کافر و مرتد ہونے میں شبہ کرے وہ بھی کافر و مرتد اور واجب القتل ہے بلکہ

پروپگنڈے کا مقصد | خاں صاحب کا بزرگانِ دین کو کافر و مرتد کہنا اور اس کا پروپگنڈہ کرنا بعینہً ایسا ہے جیسا روافض اور شیعہ خود بالذمہ صابہ کرام کو کافر و مرتد کہتے ہیں اور شیخین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ جس کا مقصد عوام کو ان اکابرین سے بدظن کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ لوگ ان حضرات کی بات پر کان نہ دھریں اور خاں صاحب کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسے رہیں، ماہنامہ ”نارائن“ کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب مہر القادری بدایونی اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہاں صدی صدی مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے، ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی درود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں۔ ایسے افراد پر دازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلائے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا؟ اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعقیص کرتے ہیں اور گیلانی وہابی ہیں۔ اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں، بلکہ کافر ہیں۔ بریلوی خیال کے علماء کی وہابی یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں اہل حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت برپا ہو گئی تھی۔ میں کسی کتاب پر علماء دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا تھا

تفصیل کے لیے دیکھیے، تہذیب الایمان اور حسام الحرمین وغیرہ

تم برطریٹ مہر القادری کی نظر میں ص ۲۳۰۔

خاں صاحب کا رنگ نہایت کالا تھا، اسی لیے حضرت مولانا چاند پوریؒ نے خاں صاحب کی رد میں ایک کتاب لکھا ہے جس کا نام ہے ”الطین اللزاب علی الاسود الکاذب“ دھچکے دانی مٹی کا لے کذاب پر، خاں صاحب کے بھتیجے حسین رضا صاحب کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اصلے حضرت آغاز عمر میں نہایت گندمی رنگ کے مالک تھے۔ لیکن جدوجہد نے آپ کا رنگ تبدیل کر دیا تھا اور ان کے چہرے کی رونق کو ختم کر دیا تھا۔ یہ خاں صاحب کا گہرا علمی تھا، ان کے والد نقی علی اور دادا رضا علی دونوں عالم تھے۔ خاں صاحب نے بھی اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی اور اکثر علوم اپنے والد نقی علی خاں سے پڑھے۔ خاں صاحب گھر کے خوش حال تھے اس لیے فراغت کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔

خاں صاحب کی تیز فراجی اور دشنام طرازی | خاں صاحب کے مزاج میں انتہائی شدت اور قلم میں بے باکی اور دشنام طرازی تھی، ماہر القادری صاحب ”زلزلہ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ،

”علماء دیوبند کے ان عقائد سے جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں۔ بدایوں اور بریلی کے علماء نے شدید اختلاف کیا، مولانا احمد رضا خاں بریلوی تو ساری عمر علماء دیوبند کی تصنیف و تفسیر کا کام انجام دیتے رہے، ان مسائل میں ان کی شدت اور قلم کے بے باک اور دشنام طرازی ہونیکا یہ عالم رہا ہے کہ ”وہابی“ قادیانی، دیوبندی، پٹنوی، چکوالوی، جہلمی، مدین ہیں کہ انکے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا، مسلم ہو یا کافر، اصلی مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خاں صاحبؒ کا اور اولاد و ولد الزنا تھے اور فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں ”نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادریؒ جیسا

۱۔ اصلے حضرت بریلویؒ نے بحوالہ البریلویہ ۱۔

۲۔ موقوفات حصہ دوم ص ۱۰۱ بریلویہ ماہر القادری کی نظر میں ص ۱۰۱۔

ارتقام فرماتے ہیں کہ :

”راتم المحدث عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مزاج کی شدت
سبب سے حد و حد کی پابند نہ تھی، بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تکفیر
کے فتوؤں کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ان مسائل
و عقائد میں علماء بدایوں کے مقلد اور خوش چین ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے
مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے ”وہابیہ“ کی مخالفت کی تھی۔ اسی
عقیدت اور احترام کی بنا پر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا
محب رسول عبدالقادر بدایونی کی شان میں قصیدہ لکھا ہے، مگر ”اذان ثانی“ کے
مسئلہ پر جب علماء بدایوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اختلاف کیا، تو بریلی
سے اس قدر سخت اور کڑھ اور اہانت آمیز جوابات دیئے گئے کہ علماء بدایوں
کو سرکاری عدالت میں ”ازالہ حیثیت عربی“ کا دعویٰ دائر کرنا پڑا۔ نواب حامد علی
خاں والی رام پور نے بیچ میں پرکھ کر اس مقدمہ کو ختم کر دیا
مولانا فاضل بریلوی اور ان کے مقتد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ
سلوک ہے تو پھر یہ دیگر اچھی رسم!!“

خاں صاحب کی تکفیری مہم کی مفصل تاریخ

خاں صاحب کا محبوب مشغلہ علمائے امت کی تکفیر تھا جس نے خود کو
مدی ہجری میں پورے ہندوستان میں جو پہلے ایک ملک تھا اور اب تین حصوں
میں بٹ گیا ہے۔ اور جس میں دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ وسیع
پیمانہ پر اختلاف و افتراق اور جنگ و جدال کی آگ بھڑکائی تھی۔ اس لیے خاں صاحب کے اس
کارنامہ کی مفصل تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، تحریر فرماتے ہیں کہ :

لے بریلویت ماہر القادری کی نظر میں مسئلہ :-

تہاں تک ہمارا علم اور مطالعہ ہے وسیع پیمانہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تکفیری مہم کا جوش و خروش اس وقت شروع ہوا جب ۱۳۱۸ھ میں کانپور کے ایک جلسہ میں۔۔۔۔۔ جس کے خالص داعی اور محرک حضرت مولانا محمد علی مونگیری رہتے تھے۔ اور جس میں ہندوستان بھر کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء اور مشاہیر شریک تھے۔ اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی شریک تھے۔۔۔۔۔ ندوۃ العلماء کے نام سے علماء ہند کی ایک وسیع القاصد انجمن یا مجلس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف خاں صاحب کی جنگ | مولوی احمد رضا خاں صاحب کسی بات سے ناراض ہو کر

جلسہ کے اختتام سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور ندوۃ العلماء کے خلاف اشتہار بازی اور رسالہ بازی کی ایک طوفانی مہم شروع کر دی۔ خاں صاحب کے ایک خلیفہ مولوی محمود جان صاحب کامٹیا واڑی نے ان کی ایک منظوم سوانح عمری "ذکر رضا" کے نام سے لکھی ہے اس میں ان کے بڑے اور درخشاں کارنامہ کی حیثیت سے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ

"اے! حضرت نے ندوۃ اور ندوۃ والوں کے رد میں بے گنتی اشتہار کے علاوہ سوئے کے قریب رسالے لکھے، اور ندوہ کا نام و نشان مٹا دیا۔"

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ندوۃ العلماء کے خلاف یہ تکفیری مہم ۱۳۱۸ھ سے چلائی شروع کی تھی، برسوں تک پورے زور و شور سے یہ گولہ باری ہوتی رہی، یہاں تک کہ حرمین شریفین کے علماء سے بھی ان کے کفر کا فتویٰ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حاصل کیا اور "فتاویٰ حرمین" برجت ندوۃ الامین "کے نام سے چھپو اگر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا۔

ندوہ والوں کے پاس اگرچہ اصحاب علم و قلم کی فوج تھی۔ لیکن ان بریلوی حناں صاحب کے تکفیری اشتہاروں اور رسالوں کی زنجیر والی بارش کو دیکھ کر انہیں بالآخر یہ فیصلہ کرنا

پڑا اگر غیرت اسی میں ہے کہ ان کی باتوں کا کوئی نفوس نہ لو اور کوئی جواب نہ دو، پس اپنے کام میں

رہو۔

ندوة العلماء کے بعد اکابر علماء دیوبند پر نظر عنایت

اکابر علماء دیوبند حضرت مولانا

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء انگریزی حکومت کے خلاف ششماہ کی جنگ میں

شامی کے قاذپہر ناکام ہو جانے اور پورے ہندوستان پر انگریزوں کا پور قہط قائم ہو جانے کے بعد

اسی نتیجہ پر پہنچے، بلکہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈال کر اب اس ملک میں اللہ کے

مقدس دین کی خدمت اور حفاظت کا خاص ذریعہ ایسے مدارس ہوں گے جن میں مخصوص طرز کی

دینی تعلیم و تربیت سے وہ افراد تیار کیے جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت علم و

ہدایت کے وارث و امین ہوں۔ اور دین کو اپنے جان و مال اور ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھیں

اور اپنی زندگیاں اسی کے لیے وقف کر دیں۔

اس منصوبے کے مطابق ان حضرات نے سب سے پہلے قلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں ایک

دینی مدرسہ قائم کیا، اللہ نے اس میں برکت دی، اور چند ہی برسوں میں اس شجرہ طیبہ کے یہ فرائض

دیکھنے میں آئے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند حضرت مولانا احمد حسن امجدی

اور بعد کے طبقات میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامت حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری اور حضرت

مولانا سید حسین احمد جاسدانی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دیوبند جیسے حضرات پیدا ہوئے جو علم نبوت کے حامل

و وارث ہو نیکے ساتھ امت کیلئے اشد وادیت اور ملت اسلامیہ ہند کے دین و ایمان کے پاساں بھی تھے

دارالعلوم دیوبند میں یہ ٹھوس تعلیمی و تربیتی اور تعمیری کام اخلاص و ولایت اور پوری خاندانی

کے ساتھ ہوتا رہا۔ اس کے فضلا، ملک میں پھیلے رہے جو جہاں جا کر بیٹھ گیا اپنے اخلاص و ولایت

اور امت کی بے لوث دینی خدمت کی وجہ سے اس خطہ کے مسلمانوں کا مرجع بن گیا، پھر اسی مقصد کیلئے

اسی طرز پر مختلف شہروں میں اور بھی متعدد دندہ سے ان حضرات نے قائم کیے، یہ سب

دارالعلوم دیوبند ہی سے نکلی ہوئی نہریں اور اسی شجرہ طیبہ کی شاخیں تھیں۔ اور یہ امت مسلمہ

ہند کے دینی قلعے اور اسلامی شریعت کی چھاؤنیاں تھیں

ان سب باتوں کا نتیجہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کو ملک میں علم و دین کے لحاظ سے ایک خاص مرجعیت اور مرکزیت حاصل ہو گئی، اور یہاں کے باخبر اور باشعور مسلمان دارالعلوم دیوبند کو ہندوستان میں دین محمدی کا مرکزی قلعہ سمجھنے لگے۔

شمیک اس وقت جب کہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت عامہ کا یہ مقام حاصل ہوا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے جو تقریباً دس سال سے ندوۃ العلماء کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، اور اپنے نزدیک ندوہ کی انجمن کو درہم برہم کر کے اس مہم کو سر کر چکے تھے، اپنی نظریات ان اکابر علماء دیوبند کی طرف پھیر دی۔ ۱۳۲۷ء میں ان کی کتاب ”المعتد المسند“ چھپی، جس میں پہلی دفعہ اکابر جماعت دیوبند حضرت مولانا ناتووی رحمہ اللہ حضرت گنگوہی وغیرہ کی قطعی تکفیر کی، اور لکھا کہ، ”یہ ایسے کافر الکفر ہیں کہ جو کوئی ان کے کفر میں شک و شبہ کرے وہ بھی قطعی کافر اور جہنمی ہے۔“

کافی مدت تک تو اکابر دارالعلوم کو خاں صاحب کی اس کتاب اور اس **مصر نظر کا فیصلہ** میں کیے گئے تکذیری حملے کی اطلاع ہی نہیں ہوئی پھر غالباً ۱۳۲۷ء میں مولانا

مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کو جو اس وقت دارالعلوم کے جوان العرفاضل تھے، کہیں سے اس کا پتہ چلا، انھوں نے کسی طرح کتاب حاصل کی اور اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی احمد رضا خاں نے اب ہم لوگوں کی طرف رخ کیا ہے مجھے جواب دینے کی اجازت دی جائے میں ان سے نہٹ لوں گا۔ جب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ الہند ان کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جماعت دیوبند کے مقتدا اور دارالعلوم کے سرپرست تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وہی بات حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کی، حضرت نے فرمایا کہ ارے بھئی! تم کہاں تک اس شخص کی باتوں کا جواب دو گے، اور کہاں تک کہیں لکھو گے۔ وہ تو روز روز نئے الزام گھڑے گا اور کہتا ہوں پر کہتا ہیں لکھیں گا، اور اشتہاروں پر اشتہار بچا پے گا، اس کو دنیا میں بس یہی کام ہے، شاید یہی اللہ نے اس کیلئے مقرر کر دیا ہے۔ ندوہ والوں کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ سامنے ہے، اس لیے میری رائے تو یہی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اور دینی خدمت

النِّیَّاتُ الْغِیَاثُ یَا غِیْلُ اللّٰہُ

یا فرسانِ عاکرِ رسول اللّٰہ

المدد المدد لے خدا کے شکرو

المدد المدد لے لشکرِ محمدی کے شہسوارو

الغرض مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حرمین شریفین کے ان علمائے کرام کے سامنے جو اصل واقعات اور حالات سے بالکل بے خبر تھے اور اردو زبان نہ جاننے کی وجہ سے اکابرِ جماعت دیوبند کی وہ کتابیں بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جن کی طرف مولوی احمد رضا خاں نے انکارِ ختمِ نبوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تمقّص جیسے کافرانہ مضامین منسوب کیے تھے۔ اپنا جعلی فتویٰ اس انداز میں اور اس تمہید کے ساتھ پیش کیا کہ گویا ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اب بس اسی فتوے سے اور اس پر علماء حرمین کی تصدیقی مہر لگ جانے سے وابستہ ہے اگر یہ نہ ہوا تو خدا نخواستہ وہ سب مرتد اور شذھی ہو جائیں گے۔ خاں صاحب کا یہ نکارانہ اور پرفریب بیان ”حسام الحرمین“ کی تمہید میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حرمین شریفین کے بہت سے نیک دل علماء نے مولوی احمد رضا خاں کی ان پرفریب باتوں کو حقیقت اور واقعہ سمجھا، اور انہوں نے خاں صاحب کے اس تکفیزی فتوے پر نقائص لکھ دیں۔ اور پھر یہی فتویٰ اردو ترجمہ کے ساتھ ”حسام الحرمین“ کے نام سے شائع ہوا اور پروسیگنڈہ کی پوری طاقت کے ساتھ پورے ملک میں ہنگامہ اور شور برپا کر دیا گیا کہ جماعت دیوبند کے ان اکابر اور شاہیر۔۔۔۔۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا غلیل احمد صاحب بہارنپوری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ۔۔۔۔۔ کے متعلق مکہ مدینہ کے علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ یہ سب ایسے قطعی کافر اور مرتد ہیں کہ جو شخص ان کے کافر اور جہنی ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر اور جہنی ہے، اور ان میں سے ایک ایک کے قتل کرنے میں

ہزار کافروں کے مارنے سے زیادہ ثواب ہے۔ مَسَاذُ اللّٰہِ۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

اکابر علماء دیوبند کا مدافعت اور جواب کا فیصلہ | یہ واقعہ ۱۳۲۵ء کا ہے میں نے اپنے بعض اکابر سے سنا ہے

کہ مولوی احمد رضا خاں کی اس ہیکارانہ چال نے اور بے پناہ پروپیگنڈوں نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا اور بہت سے وہ لوگ جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنام زمانہ فتوے بازی سے بالکل اثر نہیں لیتے تھے۔ علماء حرمین کے نام سے اس فتنے میں مبتلا ہو گئے اور حالات ایسے ہو گئے کہ خاموشی اور صرف نظر کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور شرعیہ ضروری ہو گیا کہ اس افتراء پر دمازی کی تردید کی جائے۔ اور اللہ کے بندوں کو اس فتنے میں مبتلا نہ کرنے سے بچایا جائے۔

اس فتوے میں جن چار بزرگوں کی کتابوں اور تحریروں پر کلمہ کا حکم لگایا گیا تھا ان میں سے حضرت دو اس وقت بقید حیات تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح۔ ان دو بزرگوں نے اسی زمانہ میں اپنے اپنے بیانات دیئے جن میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ”حام الحرمین“ میں ہم لوگوں کی طرف جو عقائد اور جو مضامین منسوب کیے ہیں وہ ان کا ہم پر محض افتراء اور بہتان ہے، ایسے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود خارج از مسلم سمجھتے ہیں۔ ان بزرگوں کے یہ بیانات اسی زمانہ میں مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے بلکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا بیان تو ”بسط البنات“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ خاں صاحب اپنے تکفیری فتوے پر حرمین شریفین کے علماء کی تصدیق حاصل کر کے جب ہندوستان لوٹے تو حرمین شریفین کے بعض علماء کو معلوم ہوا کہ اُس ہندوستانی مولوی (احمد رضا خاں) نے جس تکفیری فتوے پر ہم سے تصدیق کرائی ہے اس میں دوسرے فریق کے عقائد کے بارے میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ ان لوگوں کے عقیدے ایسے نہیں ہیں۔ اس پر وہاں کے بعض علماء کرام نے خود علماء دیوبند

کی طرف رجوع کر کے معاذ کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں نے اپنے
 فتوے میں اکابر علماء دیوبند کی طرف جو عقیدے منسوب کئے تھے اور اس کے سوا اور بہت سی
 باتیں جو ان کے بارے میں زبانی ان حضرات سے کہی تھیں، ان سب امور سے متعلق ان حضرات
 نے سوالات لکھ کر علماء دیوبند سے ان کا جواب چاہا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری
 نے ان کا مفصل جواب تحریر فرمایا۔ اور وہ جواب حرمین شریفین کے علماء کرام کے پاس بھیجا گیا
 ان تمام حضرات نے ان جوابات پر اطمینان ظاہر کیا اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل سنت والجماعت
 کے ہیں اور ان میں کوئی بات بھی مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے۔
 یہ سوالات و جوابات ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کرام کی تصدیقات
 کے ساتھ اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کیا جاتا ہی صورت میں "المُتَدَّ عَنِ الْمُتَدَّ" معروف
 "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔

الحمد للہ! ان چیزوں کی اشاعت سے وہ فتنہ جو "حام الحرمین" کی وجہ سے ہندوستان
 میں برپا ہوا تھا بڑی حد تک فرو ہو گیا۔ پھر اسی دور میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب
 مدنی رحمہ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے "حام الحرمین" کے مفصل
 جوابات بھی لکھے جن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دکھلایا کہ خاں صاحب نے
 "حام الحرمین" میں اکابر علماء دیوبند کی طرف جن عقیدوں کو منسوب کیا ہے۔ ان کی حقیقت
 جعل اور غریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان رسالوں نے مسلمانوں کو اور بھی زیادہ منفعہ کر دیا۔

فرنگی محل اویسیوں کی باری

پھر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۸ء کے بعد جب
 مقامات مقدسہ پر یورپ کی اتحادی طاقتوں کا
 قبضہ ہو گیا۔ اور خلافت اسلامیہ نزعہ میں آگئی اور ہندوستان میں تحریک خلافت اٹھی اور
 یہاں کے نوے فیصد سے زیادہ علماء اپنے مسلکی اختلافات کو نظر انداز کر کے مقامات مقدسہ
 اور خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے یہاں تک کہ وہ علما
 ہایوں بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے جواب تک مولوی احمد رضا خاں کی تکفیری مہم
 میں ان کے پورے ہم نوا رہے تھے۔ تو مولوی احمد رضا خاں نے تحریک خلافت میں

شریک ہونے والے ان تمام علماء کا نام "فرقہ گاندھویہ" رکھا اور اپنی عادت کے مطابق ان کے خلاف رسالوں اور اشتہاروں کی جنگ شروع کر دی اور اس جنگ میں اپنا خاص نشانہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی مہلی لکھنوی اور علماء بدایوں کو بنایا۔

خاں صاحب کے بعد ان کی ذریت کارویہ کے دور میں ہو گیا لیکن وہ اپنے بعد اپنے اخلاف کی ایک خاص ٹولی چھوڑ گئے جس نے ان کے اس تکفیری کاروبار کو اسی طرح جاری رکھا۔ اگر کوئی صاحب اس رضا خانی بریلوی تکفیری فتنہ کے حدود اربعہ کو جانتا چاہیں تو اس کے لیے ان کو اس سلسلہ کی صرف ایک کتاب "تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنہ" کا مطالعہ کافی ہو گا۔ یہ کتاب ہمارے نزدیک خاں صاحب کے تکفیری مشن کا پورا آئینہ اور بریلوی فرقہ کا صحیفہ جامعہ ہے۔

خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات اور خاں صاحب کی انگریز دوستی

پورے ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا، مگر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر آزادی لڑنے کیلئے جو آخری کوشش کی تھی وہ بھی ناکام ہو چکی تھی، لال قلعہ پر اسلامی پرچم کے بجائے یونین جیک لہرا رہا تھا، ایک ایک کر کے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یا جلا وطن کر دیا گیا تھا جس نے آزادی وطن کے لیے تھوڑی بہت کوشش کی تھی، سیکڑوں علماء میں جنھوں نے دارورسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جہام شہادت نوش فرما کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے تو ہندوستان کے طول و عرض پر عیسائی مسیح کے مذہب کا جھنڈا ابرسنے کے شوق میں عیسائی پادری سانپ بچھو کی طرح ظلت کردہ ہند کے چپے چپے میں رینگنے لگے تھے، ۱۸۵۷ء میں "لارڈ مین گلشن" ممبر پارلیمنٹ برطانیہ

نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ :

”خدا نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنت ہندوستان انگلستان کے زیرِ نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کار کی تکمیل میں صرف کرنی چاہئے اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہئے۔“

یہ تھے ہندوستان کے حالات۔ ان حالات میں خاں صاحب بریلوی ”اعلام الاعلا“ بآئ ہندوستان دارالاسلام“ نامی کتابچہ لکھ کر اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ہندوستان کو دارالاسلام بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے خاں صاحب خود اس کتابچہ کے مصنف پر لکھتے ہیں کہ :

”ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علماء شمسہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحسب نہیں۔“

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف جا برطانیہ کے ساتھ جہا ذکر نے والوں اور اس کے شدید ترین مخالفین کی بلاوجہ تکفیر کی جارہی ہے تو دوسری طرف اس وقت کے ہندوستان کو جس پر حکومت برطانیہ کا تسلط تھا جو اسلام کے ایک ایک حلقہ کو توڑنے کے درپے تھی۔ دارالاسلام ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، ہر سمجھ دار آدمی اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر یہ انگریزوں کے اشارہ پر نہیں ہو رہا تھا تو کیا یہ انگریزوں کی دوستی سے کم تر کوئی چیز تھی ؟

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ۲۵ صفر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۱ء دکن کر اٹیس منٹ پر دارالعمل سے کوچ کر کے

خاں صاحب کا وصال

دارالجزا میں پہنچ گئے۔ اور شہر بریلی میں

مدفون ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاں صاحب

خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف | کثیر التھانیف اور بڑے لکھاڑ قسم کے

آدمی تھے مگر رضا خانی خاں صاحب کی تصانیف کی جتنی تعداد بیان کرتے ہیں وہ بالعموم خالی نہیں ہے۔ چنانچہ آج تک نہ کسی سوانح نگار نے خاں صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل تعارف پیش کیا ہے، نہ خاں صاحب کی جملہ تصانیف جن کا سوانح نگار تذکرہ کرتے ہیں طبع ہوئی ہیں۔ اس لیے ذیل میں خاں صاحب کی طبع شدہ مشہور تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱- العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية، یہ خاں صاحب کے دارالافتاء

سے صادر ہونے والے فتاویٰ اور مسائل کا مجموعہ ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ خاں صاحب کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ہے۔

۲- کفر الاحیان فی ترجمۃ القرآن، یہ خاں صاحب کا ترجمہ کلام پاک ہے، جو عام طور پر دستیاب ہے اور اس کے حاشیہ پر مولوی نسیم الدین مراد آبادی کی تفسیر "خزان العرفان فی تفسیر القرآن" ہے۔

۳- احکام شریعت، اس میں مختلف مسائل ہیں اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۴- عرفان شریعت، اس میں بھی مختلف مسائل ہیں اور چند حصوں پر مشتمل ہے۔

۵- فتاویٰ افریقیہ، یہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ اور اس کا پورا نام "السنۃ الاثیقہ فی فتاویٰ افریقیہ" ہے۔

۶- ملفوظات، یہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۷- وصایا شریف، اس میں خاں صاحب کے کچھ احوال اور ایک وصیت نامہ ہے۔

۸- حدائق بخشش، یہ خاں صاحب کے اشعار کا مجموعہ ہے اس کے کل تین حصے

ہیں۔ لیکن عام طور پر دو حصے دستیاب ہیں۔ تیسرا حصہ جس کو مولوی حشر علی خاں کے چوتھے بھائی مولوی محبوب علی خاں لکھنوی نے مرتب کرا کے نابھہ پریس نابھہ (بنجاب) سے شائع کیا ہے۔ وہ عام طور پر نہیں ملتا۔

۱۰ مقاماتِ رضا۔

۱۱ انوارِ رضا۔

۱۲ اذکارِ حبیبِ رضا، یہ تینوں خاں صاحب کے مقالوں کے مجموعے ہیں۔

۱۳ سامع الحسین،

۱۴ العتد السعد،

۱۵ فتاویٰ الحرمین برجعت ندوة المسین، ان تینوں کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔

۱۶ اعلان المرحاہین علی غرہین قبور السعیدین، اس میں قدیم قبرستان کی جگہ مکان تعمیر کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے وہابیوں کو خوب برا بھلا کہا گیا ہے۔

۱۷ سنن السیوف البندیہ،

۱۸ الکوکبہ الشاہیہ، ان دونوں رسالوں میں ندوہ والوں اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

۱۹ تہلیل الاصفیاء فی حکم الذبح للادویا، اس میں اولیاء کے نام پر جانور ذبح کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

۲۰ ابراہیم المقام فی استئذان قبیلۃ الاطلال، اس میں قدیم ہوسی و حیرہ کے ستمن ہونے کا بیان ہے۔

۲۱ اقاریر العیاس علی طامن الیقام لنبی تبارک، اس میں میلاد کے وقت قیام کوٹنے کا ثبوت ہے۔

۲۲ اعجب الامداد فی کمزات حقوق العباد، اس میں ہندوؤں کے باہمی حقوق کا بیان ہے۔

۲۳ بذل الجواز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز، اس میں نماز جنازہ کے بعد دعا

کرنے کا ثبوت ہے۔

۱۲۳۔ شفاء الوالدیٰ صور المجیب و مزارہ و نفالہ، اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نعلین

۱۳۵۔ شریفین اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا اور رکھنا جائز اور باعث برکت ہے۔

۱۲۴۔ لمعة الضعیفیٰ فی اعطاء اللہ، اس میں دارمی رکھنے کا وجوب اور منڈانے کی

۱۳۸۔ حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۱۲۵۔ منیر السنین فی حکم تعقیب الایہامین، اس میں اذان و اقامت کے وقت

انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے

۱۲۶۔ نہجہ السلامة فی تعقیب الایہامین فی الاقامۃ، اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا

ثبوت ہے۔

۱۲۷۔ النبی الاکید عن الصلوۃ ورا، عدی التقليد، ملقب "کاشف مکائد لامذہبیاں"، ۱۳۱۔

اس میں غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

۱۲۸۔ اتیان الارواح لدارہم بعد الرواح، اس میں روح کے پرواز کر جانے کے بعد

اپنے گھر آنے کا بیان ہے۔

۱۲۹۔ الحجۃ الفاعل فی تطیب القین والفاطمہ، اس میں فاطمہ، تہا، اور چالیسواں غیر

کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

۱۳۰۔ اعلام الاعلام بأن ہندوستان دارالاسلام، اس میں حکومت برطانیہ کے زمانہ

میں ہندوستان کے دارالمسیر ہونے کی نفی اور دارالاسلام ہونے کا اثبات ہے۔

۱۳۱۔ صفائح الیمین فی کون التصافح بکفی الیدین، اس میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ

کرنے کا ثبوت اور غیر مقلدین کا رد ہے۔

۱۳۲۔ جلی الصوت لہنی الدعوة امام الموت، اس میں میت کے گھر کھانا کھانے کو

ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

۱۳۳۔ جمل النور فی نبی النساء عن زیارۃ القبور، اس میں عورتوں کے لیے زیارت قبور

کے لیے جانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

برکات الامداد لابل الاستداد ، اس میں اہل اللہ سے استعانت و استمداد کا حجاز ثابت کیا گیا ہے ۔

سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح ، ملقب ” دو صد تازیانہ برفرق چہول زمانہ “ اس میں سئلہ اسکان کذب کا ابطال ہے ۔

رسالہ تعزیہ داری ، اس میں تعزیہ داری کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے ۔

خالص الاعتقاد ، اس میں ایک تہید کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے اس کی تہید کا نام ” راجح القہار علی کفر الکفار “ ہے ۔

ایذان الاجبری اذان القبر ، اس میں دفن کے وقت قبر پر اذان دینے کا ثبوت ہے ۔

الانتباہ فی صل نداء یا رسول اللہ ، اس میں نعرہ رسالت کی حلت کو ثابت کیا گیا ہے ۔

الآمن والعصی ، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کی ہوئے کو ثابت کیا گیا ہے ۔

تہیہ الایمان ، اس میں اکابر علماء دیوبند کا کفر ثابت کیا گیا ہے ۔

الخصام علی متکفی آیۃ علوم الارحام ، اس میں علوم مافی الارحام کو خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب بیان کیا گیا ہے ۔

ختم النبوة ، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا اثبات ہے ۔

اسوء العقاب علی السبع الکذاب ، اس میں غلام احمد قادیانی کے کفر کو بخیر و جودہ ثابت کیا گیا ہے ۔

الدولة المکیة بالاسادة النبییة ، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے ۔

انوار المصطفیٰ ، اس میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے ۔

مولوی احمد رضا خاں کے تعارف

سلسلہ رضا خانیت کی اہم شخصیات کا تعارف

و تبلیغ میں ممتاز اور نمایاں کارنامے انجام دینے والوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولوی نسیم الدین مراد آبادی،

رضا خانیوں کے نزدیک خاں صاحب کے بعد سب سے ممتاز قائد اور رہبر مولوی نسیم الدین مراد آبادی ہیں جو خاں صاحب کے ہم عصر تھے۔ یہ بھی خاں صاحب کی طرح حامیاں توحید و سنت سے عداوت رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خاں صاحب کی تائید میں چند کتابیں تفسیر کر کے رضا خانیت کو خوب تقویت پہنچائی ہے۔ اسی لیے رضا خانی ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور صدر الافاضل کہتے ہیں۔ ان کی سب سے اہم تصنیف قرآن کریم کی وہ تفسیر ہے جو "خزائن العرفان" کے نام سے خاں صاحب کے ترجمہ "کنز الایمان" کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ دوسری تصنیف "المیاب البیان" ہے جو "تقویۃ الایمان" کے رد میں لکھی گئی ہے، "یسری" "الکلمۃ العلیا" ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے اور "فتاویٰ صدر الافاضل" ان کے فتویٰ کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے مراد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کا نام پہلے "مدرسہ اہل السنۃ" رکھا تھا پھر بدل کر "جامعہ نعیمیہ" کر دیا جو مراد آباد میں آج بھی موجود ہے۔ اس مدرسہ کے فضلاء اپنے آپ کو نعیمی لکھتے ہیں۔ ان کی ولادت ۱۲۸۵ء میں اور وفات ۱۳۵۹ء میں ہوئی ہے۔

۲۔ مولوی امجد علی اعظم گڑھی،

رضا خانیوں میں دوسرے ممتاز قائد مولوی امجد علی ہیں۔ یہ گھوسلی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور مدرسہ خفیہ جون پور میں تسلیم حاصل کر کے ۱۳۲۵ء میں فارغ ہوئے۔ پھر بریلی میں ایک مدت قیام کر کے خاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور رضا خانیت کی تائید میں چند کتابیں لکھیں، ان کی سب سے اہم کتاب "بہار شریعت" ہے جو ہشتی زیور کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے۔ اسی کارنامہ کی وجہ سے رضا خانی ان کو "صدر الشریعہ" کہتے ہیں۔ ان کی وفات بھی ۱۳۵۹ء مطابق ۱۳۵۹ء میں ہوئی ہے۔

مولوی حسرت علی پبلی بھیتی ۔

تیسرے بے باک اور بد زبان لیڈر مولوی حسرت علی ہیں۔ ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ وقایہ لکھنؤ میں حاصل کی۔ پھر بریلی آکر مولوی امجد علی سے بقیہ تعلیم حاصل کی۔ اور ۱۳۳۵ء میں فارغ ہو کر رضا خانیت کی ترویج میں منہمک ہو گئے۔ یہ بہت بد زبان اور فحش گو تھے۔ حامیان توحید و سنت کو بہت برا بھلا کہتے تھے اس لیے رضا خانی ان کو ”منظر اسفل حضرت“ اور ”غیظ النافقین“ کہتے ہیں۔ بالآخر ان کی زبان میں کینسر ہو گیا جس نے ان کو ۱۳۳۷ء میں موت کے کھٹکاتا دیا۔ اور پبلی بھیتی میں مدفون ہوئے۔ ان کی مشہور کتاب ”اصلاح ہستی پور“ ہے، اور ”تجانب اہل السنۃ“ کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت ان ہی کی تصنیف ہے مگر مصلحتاً مولوی محمد طیب قادری کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

۱۳۔ مفتی محمد یار خاں نسیمی بدایونی ۔

چوتھے متاز قائد مفتی احمد یار خاں ہیں۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی پھر مولوی نسیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم کی تکمیل کی۔ اس لیے یہ اپنے آپ کو نسیمی لکھتے ہیں۔ انھوں نے رضا خانیت کی ترویج میں کئی کلاں لکھی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں ۔

۱۴۔ رحمت الہیہ وسیلۃ اولیاء ۔

۱۵۔ سلطنت مصطفیٰ ۔

۱۶۔ فتاویٰ نسیمیہ ۔

۱۱۔ علم القرآن ۔

۱۲۔ نور صرفان ۔

۱۳۔ جہار الحق وزہق الباطل ۔

ان کی وفات ۱۳۹۰ء میں ہوئی ہے ۔

رضا خانیت و بریلویت

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حامیان توحید و سنت کے خلاف جو ہم شہر بریلی سے شروع کی تھی، اس نے بعد میں ایک مستقل مکتب فکر کی صورت اختیار کر لی جس کو ”رضا خاں“ کی طرف منسوب کر کے ”رضا خانیت“ اور بریلی کی طرف منسوب کر کے ”بریلویت“ کہا جاتا ہے۔ اب رضا خانیت اور بریلویت ایک مستقل مکتب فکر کا نام ہے۔ جس کی بنیاد دوامروں پر ہے، ایک انبیاء و اولیاء کی عقیدت

و محبت میں حد سے زیادہ غلو کرنا۔ اور دوسرے رسوم و بدعات کو ضعیف اور کمزور حتیٰ کہ موقوف
اعادہ نہ کا سہارا لے کر جائز و مستحسن گردانا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے پہلے بھی دین سے ناواقف لوگ شرک آمیز عقائد
اور بدعات کی طرف مائل ہوئے ہیں مگر جب مجددین ملت اور مصابین امت نے ان کو راہِ سنت
سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور بدعت کو چھوڑ کر راہِ سنت اختیار کر لی۔ کیونکہ
اس سے پہلے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سند جواز نہیں دی گئی تھی۔ لیکن خاں صاحب اور
ان کے حامیوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سند جواز دیکر ہدایت
کی راہیں مند و کر دیں۔ اب جاہل لوگ ان ہی خرافات و بدعات کو دین سمجھنے لگے ہیں اور
حامیان توحید و سنت کو نفوذِ باللہ کافر و مرتد بلکہ کافروں سے بدتر خیال کرتے ہیں۔ اس لیے
علمائے دین کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ سنت و بدعت کی حدود و اربعہ کو اچھی طرح
سمجھیں اور لوگوں کو بتائیں کہ فلاں فلاں امور سنت ہیں اور فلاں فلاں چیزیں سنت کے
دائرے سے خارج ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

رضا خانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات

علماء دیوبند میں سے جن حضرات
نے رضا خانیت کی تردید میں
کام کیا ہے ان کی فہرست طویل ہے ان سب کا تعارف پیش کرنا دشوار ہے۔ اس لیے ذیل میں
مشران حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں نمایاں اور اہم خدمات
انجام دی ہیں اور جن کا پوری امت سلسلہ پر عظیم احسان ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

آپ قصبہ گنگوہ میں ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گنگوہ ہی میں حاصل کی۔
اس کے بعد اپنے ماموں کے ہمراہ کرناٹ تشریف لے گئے ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی
محمد بخش رامپوری سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۴۰ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور حضرت
مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمہ سے اکثر کتابیں اور بعض کتابیں مفتی صدر الدین آزاد سے

پڑھیں، اور کتب حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھ کر ۱۲۹ھ میں فراغت حاصل کی، فرغت کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر کی اُسے بیعت ہو گئے، اور خلافت حاصل کی ۱۸۵ھ کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف شامی میں جنگ کی، اس جرم میں چھ ماہ جیل میں رہے۔ رہائی کے بعد درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اور تادم حیات یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۹۶ھ میں جب حضرت نانوتوی قدس سرہ کا وصال ہو گیا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست منتخب کیا گیا۔ ۱۳۱۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست بنائے گئے۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ اذان جمعہ کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اور گنگوہ میں ایک باغ میں آسودہ خواب ہیں۔

آپ ہی نے سب سے پہلے رائج الوقت بدعات و خرافات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اور دین کو بدعات و خرافات سے نکھار کر اصلی شکل و صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اس لیے آپ بلاشبہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ
آپ کی پیدائش ۱۲۹۸ھ میں بریلی میں ہوئی جہاں

آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحب رحمہ سے حاصل کی۔ قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا آپ اس میں داخل ہو گئے۔ دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں ۱۲۹۰ھ میں خود بانی دارالعلوم نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوا جس سے تدریس ترقی کر کے ۱۳۱۵ھ میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے دور صدارت میں دارالعلوم کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔

۱۳۱۵ھ میں حضرت شیخ الہند نے ہندوستان سے برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ایک اسکیم تیار کی، اس سلسلہ میں ۱۳۲۵ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا، غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے ملاقات کر کے بعض اہم امور طے فرمائے۔ آپ حجاز سے براہ

ہندو بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم کے دوران شریعہ حسین والی لکرنے کے آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ حضرت شیخ ابند کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اور مولانا عزیز گل صاحب رحمہ وغیرہ کو بھی گرفتار کیا گیا۔ انکو پہلے مصر، پھر مان پینڈا دیا گیا۔ جنگ عظیم ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو آپ بمبئی پہنچے۔ ماٹا سے واپسی کے بعد اگرچہ آپ کی صحت جواب دے چکی تھی اور قومی پیرانہ سالی کی وجہ سے نہایت ضعیف ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود آپ نے بڑی شہدہ کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا۔ طبیعت اس بارگراں کی متمم نہ ہو سکی۔ جب حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تو بزم علاج ڈاکٹر ممتاز احمد انصاری کے یہاں دہلی لے جایا گیا۔ حکیم اجمعل بھی شریک علاج تھے، مگر وقت موعود آپ نہ پہنچا تھا۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ کی صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ وحشی سے دیوبند لایا گیا اور اگلے روز نماز قاسمی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی فرقہ باطلہ کی تردید میں متعدد کتابیں ہیں۔ رضا خانیت کی رد میں جہد المقل فی تنزیہ العز والذل۔ آپ کی مشہور کتاب ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری | آپ اپنے وطن انبیٹھ میں ۱۳۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم انبیٹھ اور نانوتہ میں حاصل کی۔ ۱۳۲۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے۔ وہاں سے ۱۳۲۷ھ میں فارغ ہوئے۔ پھر ۱۳۲۸ھ میں دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور فنون کی تکمیل فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند سے علوم و فنون کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے۔

۱۳۳۰ھ میں مولوی جمال الدین مدار الہام بھوپال کے اصرار پر آپ کو بھوپال بھیج دیا گیا مگر وہاں آپ کا دل نہ لگا اور چند ماہ کے بعد حج کے لیے چلے گئے۔ واپسی کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت گیسو بی رنے نے جن سے آپ کو شرفِ بیت حاصل تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر علی کو لکھا کہ مولوی غلام احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔ آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور

ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور سر سے دستار اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی۔ اور اسی کے ساتھ اپنی جانب تحریری خلافت عطا فرمائی۔ بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی رحمہ نے بھی دستخط فرمائے۔

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہی نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند مدرس ہو کر تشریف لائے ۱۳۱۵ھ میں یہاں سے بحیثیت صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم منتخب کیا گیا، ۱۳۲۵ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سب سے مشہور ابو داؤد شریف کی عربی شرح بذل الجہود ہے، اور رضا خانیہ کی تردید میں براہین قاطعہ اور المنہج علی المغذ نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ آپ اپنے وطن تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف حافظ حسین علی صاحب سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ بتوہید و قرأت مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکی سے پڑھی۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ اور حضرت گنگوہی نے آپ کی اصلاح فرمائی۔

۱۳۱۵ھ میں پہلے مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر جامع العلوم فرمایا۔ اس ادارہ کا پور کی سند صدارت کو زینت بخشی، ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے تھانہ بھون آگئے اور بیعت و ارشاد پورہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ ہزاروں علماء و صلحاء اور عوام و خواص آپ کے بیعت ہوئے۔ سینکڑوں تصانیف اور مواظبات ہوئے۔ اور بہت بڑی مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی۔

۱۵ رجب ۱۳۳۷ء کی شب میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور ن خانہ بھون میں اپنے ذاتی باغ میں حب و صیت تدفین غسل میں آئی۔ بدعات و خرافات اور رضا خانیت کی تردید میں آپ کے فتاویٰ اور بے شمار مواظفہ موجود ہیں۔

چاندپور ضلع بجنور آپ کا وطن تھا
حضرت مولانا تقی حسن صاحب چاندپوری

ہوئے کامیاب استاذ اور مشہور واعظ تھے۔ مناظرہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ عرصہ دراز تک مدرسہ امدادیہ درمہنگہ اور مراد آباد میں صدارت تدریس پر فائز رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں نظامت تسلیم کے کچھ دنوں ذمہ دار رہے۔ اور تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ پھر اسفار کی کثرت کی وجہ سے آپ کو شہرہ تبلیغ کا ناظم بنا دیا گیا۔ ۱۳۳۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے سبکدوش ہو کر درمہنگہ (پہار) چلے گئے، وہاں کافی دنوں تک صدارت تدریس پر فائز رہے اخیر عمر میں اپنے وطن میں قیام پذیر ہو گئے اور وہیں ۱۳۷۷ء میں وفات پائی۔ آپ نے رضا خانیت کے رد میں متعدد رسائل ارقام فرمائے ہیں جو رسائل چاندپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ آٹھ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا۔ جسے ان کے صاحبزادے نے دارالعلوم دیوبند میں منتقل کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد رضا مدنی رحمہ اللہ
آپ کا وطن الہ آباد پور

آپ کے والد محترم مولانا سید حبیب اللہ صاحب بانگر مو ضلع اناؤ میں بیڈماٹر تھے وہیں آپ ۱۹ سوال ۱۳۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد بارہ سال کی عمر میں (۱۳۷۷ء) آپ دیوبند تشریف لائے اور تہائی درجہ عربی داخلہ لیا ۱۳۷۸ء میں دارالعلوم دیوبند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ روانگی حجاز سے پہلے حضرت گنگوہی سے آپ بیعت ہو چکے تھے۔ حجاز پہنچ کر مسجد نبوی میں حدیث شریف کا کامیاب درس دیا۔ پھر شیخ الہند کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا چلے گئے ۱۳۷۹ء میں مالٹا سے ہندوستان واپس تشریف لائے۔ یہاں ملکی حالات کے پیش نظر سیاسی امور میں بھرپور

حصہ لیا۔ اور ملک کی آزادی کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ایک محب وطن کو کرنا چاہئے۔ متعدد بار جیل جانا پڑا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک ملک کو آزاد نہیں کر لیا۔ ملک و ملت نے آپ کو شیخ الاسلام کے نام سے یاد کیا۔

۱۳۴۲ھ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی علیحدگی کے بعد دارالعلوم دیوبند کی صند پر فائز کیے گئے، اور آخر عمر تک اسی عہدہ پر قائم رہے۔ ۱۳۶۰ھ جمادی الاولیٰ میں وفات پائی۔ اور قبرستان قاسمی میں آسودہ خواب ہیں۔ آپ کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں مرید ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں آپ کی متعدد تصانیف ہیں رضا خانیت کے رد میں الشاہب الثاقب آپ کی نہایت عمدہ تصنیف ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
آپ کا وطن سنبھل ہے وہیں ۸ رشتوں
پہلے سنبھل میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالربہ دہلی میں حاصل کی، پھر دارالعلوم میں پڑھا
آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دو سال رہ کر ۱۳۴۲ھ میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی
فراغت کے بعد امر وہہ کے مدرسہ چلہ میں تین سال درس دیا۔ چار سال تک دارالعلوم ندوۃ
العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۳۴۸ھ میں بریلی سے ”الفقران“ کے نام سے ایک
ماہنامہ جاری کیا اور رضا خانیت کی خوب تردید کی۔ اس کے علاوہ رضا خانیوں سے آپ نے
کئی کامیاب مناظر کیے اور رضا خانیت کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں بوارق الغیب
نہایت عمدہ کتاب ہے۔ آپ ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب
ہوئے۔ پہلے آپ بڑی پابندی سے شوریٰ کے تمام اجلاسوں میں شرکت فرماتے تھے مگر
اب چند سالوں سے پیرانہ سالی کی وجہ سے تشریف نہیں لارہے ہیں۔ آپ آج کل لکھنؤ میں
مقیم ہیں، اور الفریقان بجائے بریلی کے لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر
آپ ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے...
ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں
حاصل کی۔ پھر سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم

دیوبند شریف لائے اور ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء میں حضرت مدنی قدس سرہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۶۴ھ سے نصرة العلوم گوجرانوالہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور بقدر حیات میں آپ نے رضا خانیت کے رد میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ بلکہ آپ کی زیادہ تر تصنیفات اسی موضوع پر ہیں اور بہت عام فہم ہیں۔

رضا خانیت کے رد میں اہم کتب ہیں

رضا خانیت کی رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے اہم کتابوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ اس سے استفادہ کریں۔

۱۱۔ براہین قاطعہ، یہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اور ”انوار ساطعہ“ کی رد میں لکھی گئی ہے۔ اس میں پہلے بدعت کی تصریف سمجھ پر بدعات مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

۱۲۔ المعتمد علی المعتمد، یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اس میں علماء حرمین شریفین کے ۲۶ سوالوں کے جوابات ہیں۔

۱۳۔ تنشيط الاذان، یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے اس میں اذانِ خطبہ مسجد کے اندر پڑھنے کا ثبوت ہے۔

۱۴۔ جہد المقل، یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی تصنیف ہے اس میں عمومِ قدرت باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

۱۵۔ الشہاب الثاقب، یہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دہلوی کی تالیف ہے۔ حسام الحرمین میں مولوی احمد رضا خاں نے اکابر علما دیوبند کی طرف جن کفریہ عقائد کی نسبت کی تھی ان کی تردید کی گئی ہے۔ اور اکابر کی ان عبارتوں کا مطلب بیان کیا گیا ہے جن سے خاں صاحب نے دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

- ۱۶۔ السحاب المدرار : یہ حضرت مولانا مرقی حسن صاحب چاند پوری کا رسالہ ہے۔ اس میں حقا الا یسان ، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی ان عبارتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے جن کو کات چھانٹ کر خاں صاحب نے اکابر علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ لکایا تھا۔
- ۱۷۔ الجنۃ لاجل السنۃ : یہ مفتی عبدالنبی صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کی تصنیف ہے۔ اور رضا خانیت کے رد میں بہت مفصل اور عمدہ کتاب ہے۔
- ۱۸۔ بوارق الغیب : یہ مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی تصنیف ہے۔ اور علم غیب کے مسئلہ پر لا جواب کتاب ہے۔
- ۱۹۔ ازالۃ الریب : یہ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر دامت فیوضہم کی تصنیف ہے اور علم غیب کے مسئلہ پر بہت مفصل کتاب ہے۔
- ۱۱۰۔ راہ صفت : یہ بھی مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی تصنیف ہے۔ اس میں تمام بدعاتِ مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔
- ۱۱۱۔ اختلاف امت اور صراطِ مستقیم : کا وہ حصہ جو دیوبندی، بریلوی اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے یہ رضا خانیت کے رد میں بہترین عام فہم کتاب ہے۔

ہجرت ۱۴۱۵ھ
دوسرا محاضرہ علمیہ
بر موضوع



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالپوری

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	قیام دارالعلوم کے وقت ہندوستان کا عمومی ماحول	۳
۲	احیائے سنت اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ	۳
۳	پہلی امتیازی شان	۵
۴	دوسری امتیازی شان	۸
۵	احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند	۹
۶	بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں	۱۰
۷	سنت و بدعت کی بحث	۱۳
۸	بدعت کی قباحت کی وجوہ	۱۷
۹	سنت و بدعت کی تعریفات	۲۰
۱۰	سنت کے لغوی معنی	۲۰
۱۱	سنت کے اصطلاحی معنی	۲۱
۱۲	بدعت کے لغوی معنی	۲۶
۱۳	بدعت کے اصطلاحی معنی	۲۷
۱۴	لفظ بدعت کا استعمال	۳۰
۱۵	بدعتِ اعتقاد کی اور بدعتِ عملی	۳۱
۱۶	بدعتِ حقیقی اور بدعتِ اضافی	۳۲
۱۷	بدعات کو پہچاننے کے لیے اصول	۳۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكُنْ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ، اصابعد :

ہندوستان کی تاریخ میں تیرہویں صدی ہجری مسلمانوں کے لیے انتہائی پُر آشوب دور ہے ، ایک طرف انگریزوں کی دو سو سالہ حکومت نے مسلمانوں کو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا دیا تھا ، تو دوسری طرف برادرانِ وطن سے طویل اقلطاط نے مسلمانوں کو رسوم و بدعات اور خرافات کا خوگر بنادیا تھا ، ہمیں عیسائی پادری اور ہندو پنڈت مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے ، تو کہیں جاہل صوفیاء اور جاہل پیرت نام نہاد علماء مسلمانوں کی دولت ایمانی کو ادیار کے مزاروں پر بھینٹ چڑھا رہے تھے ،

الغرض ضلالت و گمراہی کا یہ عالم تھا کہ کوئی نیچرت و دھرت کو روشن خیالی سے تعمیر کر رہا تھا ، تو کوئی رسوم و بدعات اور خرافات کو دین کا شعار سمجھ رہا تھا ، کوئی حدیث کا منکر تھا ، تو کوئی نبوت کا مذہب تھا ، ایک طرف عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قبر پرستی اور تقزیہ پرستی کی آندھیاں چل رہی تھیں اور اسلام کی کسپر کا عالم بالکل ایسا ہو چکا تھا جیسا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دینِ ابراہیمی کا تھا ، حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ انشاء فرماتے ہیں کہ :

”۱۳۴۳ ہجری وہ زمانہ تھا جس میں معصیت و بددین کی گھنگھور گھنٹائیں اُٹھ اُٹھ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں ، بطنائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں ، بلکہ دوست ناصحاب بھی لگے ہوئے تھے ، بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور برادرانہ رواج ان کو جس کروٹ ڈٹا تا وہ لیٹے اور جس پہلو جٹا تا وہ بیٹھے تھے دین کی بے خبری جس کو جہالت کہا جاتا ہے ، اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کھڑپڑھ جوتی زبانوں پر بھی اس قدر چھائی ہوئی تھی ، جس طرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں ۔

غرض کچھ ایسی کایا پٹشی اور ظلت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شاہی جہل کا نام علم تھا ، اور خرافات اور شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامت ..
(تذکرۃ المرشدین حصہ اول ص ۹)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیت اللہ — زادہا اللہ شرفا — کو ایام سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکو کاری سمجھا تھا، اس طرح ہندوستان میں بد دینی و بد عقیدگی کے گویا روزانہ نے مختصر عیالات جزو اسلام بنائے جاتے، اور تائید دینِ متین سمجھی جاتی تھی، کسی طرف یہ نحریت کا غلبہ تھا، اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خدو ج کا، ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرآنیت و مزائیت کا بیج پڑ رہا تھا، یہاں ڈھولک دستار کھڑک رہے تھے، تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال گرم تھا، یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے، تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بد زبانی، غرض افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان! اور اعتدال سے محرومیت نے وہاس مار رکھا تھا کہ العفیظ! (حوالہ سابق ص ۱۰۱)۔

تاریخ ہند کے اس تاریک ترین زمانہ میں اور ضلالت و گمراہی کے اس سیاہ ترین دور میں صادق و صدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق مسلمان ہند کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کا انتخاب فرمایا، ایک قاسم العلوم و الحجرات حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نافو قی قدس سرہ اور دوسرے فقیہ النفس قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ، جن میں سے اول الذکر نے اسلام کا خارجی حلوں سے دفاع کرتے ہوئے اصول دین کو نکھا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور دشمنان اسلام کو ہر میدان میں شکست فاش دی، اور آخر الذکر نے داخلی اصلاحات کرتے ہوئے فروغ دین کو رسوم و بدعات سے نکھا کر مسلمانان ہند کے سامنے صحیح شکل و صورت میں پیش کیا اور مسلمانوں کو راہِ سنت سے آگاہ فرمایا۔

احیائے سنت اور حضرت گنگوہی رحمہ

ہمارے اس محاضرہ کا موضوع چونکہ ”سنت و بدعت“ ہے، اس لیے حضرت گنگوہی قدس سرہ کی داخلی اصلاحات کی قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے احیائے سنت کے لیے کس طرح کی محنت کی تھی جو اس قدر بار آور ہوئی کہ پورے ہندوستان کا نقش بدل گیا، اور جہاں بدعت و ضلالت کی تیر و تند آندھیاں چل رہی تھیں

وہاں سنت و ہدایت کی پرہیزگاریاں چلنے لگیں۔

حضرت گنگوہی نے داخل اصلاحات کا ذریعہ انجام دینے سے پہلے اپنے آپ کو علم و عمل اور اتباع سنت نبویہ کے زیور سے آراستہ کیا، اس طرح آپ کی ذات مبارکہ جہاں لوگوں کے لیے نورِ عمل تھی، وہاں آپ کی بات اس قدر وقیع سمجھی جاتی تھی کہ دوست اور دشمن بھی اس کو ماننے پر مجبور تھے۔

پہلی امتیازی شان

اصلاح کے سلسلے میں آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ جس کی اصلاح معذور ہوتی تھی اس کی حیثیت عرفی کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح تکمیل فرماتے تھے کہ اس کو ناگوار معلوم نہ ہو، اور اظہارِ حق اور احیائے سنت کے وقت طعن و تشنیع اور تحقیر و تمذیل سے کلی اجتناب فرماتے تھے چاہے مخاطب آپ سے چھوٹا اور کم تر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ مخالف پر طعن و تشنیع کرنا اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا اکثر و بیشتر حق بات قبول کرنے سے اس کو روک دیتا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ آپ کے طرز عمل کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اصلاح کا یہ طریقہ کتنا موثر اور مفید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پہلے میلاد وغیرہ بدعات کے سلسلہ میں نرم گوشہ رکھتے تھے، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اصلاحی کوششوں سے اپنے مضبوط موقف اختیار کیا ہے، جانین سے اس سلسلے میں کافی لمبی مکاتبت ہوئی ہے، جو ”تذکرۃ الرشید“ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت تھانوی کے نہم شکوک و شبہات کا کس قدر خندہ پیشانی سے ازالہ فرمایا، اور حضرت تھانوی پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے، خود حضرت تھانوی قدس سرہ ”یادیا راں،، میں اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

”میں مدت تک مسائل اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعہ کے متعلق باوجود صحبت عقیدہ کے — والحمد للہ — ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے، یعنی بعض اعمال رسمیتاً مجلس متعارف میلاد شریف و امثالہ سے جو محققین بعض مفسدگی وجہ سے عوام الناس کو مطلقاً اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں — ان مفسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ نادم سمجھتا تھا، اور یہ صحت، عقیدہ

کی تھی، اور عوام اناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ کرتا رہا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت ہنسی کی وہ مفاسد ہیں، جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے بڑا ہیں، ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام اناس کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ ان کو نفس اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے، بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی، جس کا فساد مدار ہنسی ہے، اور بالکل منع کرنے میں عوام مخالف سمجھیں گے، اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔

ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہا کے کبھی ذہن کو انس کے خلاف کی طرف انتقال و التفات نہیں ہوا، حضرت قدس الشریعہ کا شکریہ کس زبان سے ادا کر دوں کہ خود ہی غایت رأفت و شفقت سے مولوی منور علی صاحب درجہ بکری مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا۔

اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے — جبکی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا — میں نے یہ خیال حُذُماً صَفَاوَدَ عَ مَکَاوِدُ بعض اذکار و اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی، اور آمد و رفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں، وہاں مفسدہ لازم نہیں، اور عوام کو حق و باطل پر تقریر یا تنبیہ کرتے رہنا رافع مفسدہ کے لیے کافی ہے، سو حضرت نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا۔

غایتِ کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایتِ کرم و دیبا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قدس سرہ نے باوجود حاضری کرۃ بعد مرتبہ کے بالمشافہ کبھی اس تعرض نہیں فرمایا، اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اس کو محلِ حسن پر محمول فرمایا۔

اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در باب ممانعتِ تنازع و اختلافِ مسائلِ معبودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی، اور مجھ کو اس کی تفصیل کا حکم دیا، چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا، اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان

سے جبر تحریر میں لایا، اور حضرت حاجی صاحب کی حضور میں اس کو سنایا، چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ————— بوجہ لزوم ضلوت و قلتِ اخلاط مع العوام و بنا بر غلبہ حسن ظن ————— عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا، اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی، اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا، مگر چونکہ اصل منہون حضرت نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا، اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا۔ اور اپنی طرف سے ہی اشاعت کی اجازت دی، جو بعنوان ”فیصل جنت مسئلہ“، شائع کر دیا گیا، جس کو بعض کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا، و آئی لکھتو ذالک؟! کیوں کہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحت نہ ہے، صرف خوش عقیدہ خوش شمس فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے جس کا مبنی وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔

غرض حضرت قدس اللہ سرہ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا، تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالا تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا، لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی، چنانچہ چند بار جانیں سے تحریرات ہوئیں، اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں۔

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہو گئی۔ اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغفل تھا مفتوح ہو گیا، جس کا مختص یہ ہے کہ مدارِ نبی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے، لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے، خواہ فاعل اس کا مباشر ہو، خواہ اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا، اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گودہ خود صبیحِ العقیدہ ہو، مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بنا بھی منوع ہے، اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے، مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی، اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے، پس اگر کس عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا، اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا، تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو بُرا ہے، اور ہر چند کہ بعض

مصلحتیں بھی فعل میں ہوں، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مضدہ دونوں مجتمع ہوں، اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو، وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا، پس اس قاعدہ کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے، بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے، البتہ جو فعل ضروری ہے، اور اس میں مفاسد پیش آویں، وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی۔ چنانچہ احادیث نبویہ و سنن فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں، ماہر پر محض نہیں، (یاد یاراں مکے تاملنا)

دوسری امتیازی شان

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی اصلاح امت کے سلسلہ میں دوسری امتیازی شان یہ تھی کہ آپ غلط اور منکرات کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، ملامت کی پروا کیے بغیر جو بات آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں حق سمجھتے تھے، اس کا برو ملا اور کھلم کھلا اظہار فرماتے تھے، اور ایسا طرز اختیار فرماتے تھے کہ کسی کو آپ کے عمل سے غلط فہمی نہ ہو، چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رد کا رسار، فیصلہ مفت مسئلہ، جو درحقیقت حضرت تھانویؒ کا لکھا ہوا ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں کسی نے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

”اے تمام میں جھونک دو“ _____ کسی نے کہا کہ اپنے شیخ کا رسالہ تمام میں جھونک رہے ہیں! فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے وہ تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی ہے، فقہ میں وہ ہمارے تابع ہیں،، (محاسن علیہم السلام ص ۱۸۱)

لے فیما القلوب میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے حضرت گنگوہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے حضرت گنگوہی کے ارشاد کی مکمل تائید ہوتی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ:

و نیز ہر کس ازین فقیہ محبت و عقیدت
دارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلسلہ و
مولوی محمد قاسم سلسلہ را کہ جامع جمع کالات علوم ظاہری
باطنی اند بجائے من فقیہ را تم ادراک، بلکہ ہمداراج
نیز ہر شخص جو اس فقیہ سے محبت اور عقیدت و ارادت
رکھتا ہے وہ مولوی رشید احمد صاحب سلسلہ اور
مولوی محمد قاسم صاحب سلسلہ کو — جو تمام کمالات
علوم ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں (بقیہ صفحہ ۹)

الصل قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے جہاں خیر خواہی کے ساتھ مسلمانوں کو بدعات مردوجہ سے آگاہ کیا وہاں ایسا عملی بھی نمونہ پیش فرمایا کہ کسی کو آپ کے عمل سے حق و باطل اور سنت و بدعت کے سمجھنے میں ادنیٰ التباس و اشتباہ نہ ہو۔

احیائے سنت اور اکابرین دارالعلوم دیوبند اور انہی دو بنیادی باتوں کو حضرت گنگوہی کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اپنا کراہیائے سنت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو محتاج بیان نہیں، اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ اجل محدث جلیل حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ایک طرف حضرت گنگوہی کے ایما پر ”برائین قاطعہ“ تصنیف فرما کر بدعات مردوجہ سے لوگوں کو آگاہ کیا، تو دوسری طرف علمائے حرمین شریفین کے چھ دیس سوالوں کے جواب باصواب تحریر فرما کر مسلک دارالعلوم کی ایسی وضاحت فرمائی کہ حرمین شریفین اور مصر و شام کے علماء نے نہ صرف مزاج تحسین پیش کیا، بلکہ اپنی تصدیقات سے بھی اس کو مرتب کیا اور قاسم العلوم و الخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کا چونکہ قیام دارالعلوم کے بعد بہت جلد انتقال ہو گیا تھا، اس لیے آپ داخلی اصلاحات کی طرف

(فیقہہ ہما شیعہ مصفحہ گند مشتبہ)

فوق اذمن شانند، اگرچہ بظاہر معاطہ برعکس شد کہ مجھ فقیر راقم الحروف کی جگہ، بلکہ بدرجہا اوپر خیال اوشان بنائے من، ومن بمقام اوشان شد کہ اگرچہ بظاہر معاطہ برعکس ہو گیا ہے کہ وہ میری اضمیاء القلوب صمت، جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا۔

یہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے رسالہ ”فیصل ہفت مسئلہ“ کے آخر میں جو وصیت فرمائی ہے، اس سے بھی حضرت گنگوہی کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے، آپ وصیت فرماتے ہیں کہ:

”اور اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیت ہے کہ کفنیات میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق رکھیں..... اور اجل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں، خصوصاً عزیزی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں ٹھنیت کبریٰ و نعت عظمیٰ سمجھ کر ان سے فیوض و برکات حاصل کریں، کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالات ظاہری اور باطنی کے ہیں، (فیصل ہفت مسئلہ ص ۱۲)“

میں توجہ نہ فرما سکے، لیکن خارجی حلوں سے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے اصول دین کو جو
 نکھارا ہے وہ آپ کی اتنی عظیم خدمت ہے کہ اس کا کوئی بدل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اور
 حامیانِ بدعت نے جب ان اکابر پر بے بنیاد الزام لگا کر ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی، تو
 شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ”الشباب الشاہدہ
 تصنیف فرما کر حامیانِ بدعت کی جعل سازی کو عالمِ آشکارا کر دیا، اور مذکورہ چاروں
 اکابر کی طرف جو غلط عقیدے منسوب کیے گئے تھے ان کی مکمل تردید کر کے لوگوں کے دلوں میں
 ان کی عقیدت کو راسخ فرمادیا، اور جب حامیانِ بدعت نے یہ پروپیگنڈہ شروع
 کیا کہ دیوبندی خدا کو جھوٹا کہتے ہیں، تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبند کی رحمہ اللہ
 نے ”جہد المعلن فی تنزیہ المذنب والمذنب“ لکھ کر اس کی مکمل تردید فرمائی۔

یہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی احیائے سنت کے سلسلہ میں خدماتِ جلیلہ، اور انہی
 اکابر کے نقشِ قدم پر چل کر قرآن و حدیث کی روشنی میں لوگوں کو حق و باطل اور سنت و بدعت
 سے آگاہ کرنا دارالعلوم دیوبند کا بنیادی مقصد ہے
 یوں سینہ نگیتی پر قائم اسلاف کا یہ کردار ہے: آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم، سینہ میں دلِ بیدار

بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں

سنت و بدعت کی حقیقت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ امت میں بدعات کیسے پھیلیں
 ہیں اور اس سلسلہ میں علمائے حقانی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۱) **جہالت** | امت میں جو بدعات پھیلیں ہیں اس کے متعدد اسباب و محرکات ہیں، ان میں سب سے
 اہم سبب جہالت ہے، یعنی لوگوں کا دین سے ناواقف ہونا، اور بدعت کی قباحت
 کو نہ پہچاننا، کیوں کہ بدعت میں گونہ ظاہری خوبی اور نائشِ حسن ہوتا ہے، ناواقف آدمی اسکی ظاہری
 خوبی اور نائشِ حسن کو دیکھ کر اس پر فریضہ ہو جاتا ہے اور باطن میں جو خرابیاں ہوتی ہیں اس کی طرف
 اس کی نظر نہیں جاتی، لہذا علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ بدعات میں جو خرابیاں ہیں وہ لوگوں کو
 بتائیں اور بدعات سے بچنے کی لوگوں کو تاکید کریں۔

(۲) غیروں کی تقلید

بدعات کے پھیلنے کا دوسرا اہم سبب غیروں کی تقلید ہے، مسند و معاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا استراجاع ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے، اس لیے جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے خصوصاً جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہوتی ہے وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب و فاتح رہے، اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تہ و تاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے، لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا دلولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے، دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے آگاہ کریں اور اس کی خوبیاں سمجھائیں اور دوسری تہذیبوں سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۳) شہرت پسندی

بدعات کے شیوع کا تیسرا سبب جب جاہ اور شہرت پسندی کا جہت ہے یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے لوگ ہر نئی چیز کو۔۔۔ بشرطیکہ اس پر کوئی خوشنما خلاف چڑھا دیا گیا ہو۔۔۔ دور کر اچکنے ہیں اس لیے شہرت پسندی کے خواہاں دین میں جدتیں پیدا کرتے اور بدعتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں، اس لیے علمائے حقانی کا فرض منصبی ہے کہ جاہ پرست علماء اور شہرت پسند صوفیا کی ایجاد کردہ بدعتوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

(۴) مداحیت

بدعات کے پھیلنے کا چوتھا سبب مداحیت فی الذین ہے یعنی علماء کا غلط اور منکر باتوں پر نیکر نہ کرنا، اور چشم پوشی سے کام لینا، کیوں کہ جب علماء غلط اور منکر باتوں پر نیکر نہیں کریں گے، اور چشم پوشی سے کام لیں گے تو معتقدین سکوت کو جواز پر محمول کر کے ان منکرات پر بے ہجک عمل شروع کر دیں گے، اس لیے علمائے حقانی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ غیر خواہاں کے جذبہ سے شفقت و مہربانی کے ساتھ لوگوں کو بھلی باتوں سے اور سنت سے آگاہ کریں، اور بدعات و منکرات پر نیکر نہ کرتے رہیں، ارشاد ربانی ہے کہ:

وَلَقَدْ مَنَّكَ اللَّهُ بِأَنْتَ مَعَهُ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ، وَأَذِّنْكَ لَهُمُ الْمُفْلِحُونَ
(آل عمران آیت ۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے
جو خیر کی طرف بلایا کرے، اور نیک کام کرنے
کو کہا کرے، اور برے کاموں سے روکا کرے
اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔

(۵) اتباع ہوئی
بدعات کے پھیلنے کا ایک اہم سبب اتباع ہوئی یعنی خواہش نفس
کی پیروی ہے دنیا میں جتنی قومیں گمراہ ہوئی ہیں ان کا واحد سبب
اتباع ہوئی ہے، اس لیے شریعت نے لوگوں کو خواہش نفس کی پیروی کرنے سے سختی کے
ساتھ روکا ہے، مگر پھر بھی وقتاً فوقتاً کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو خواہش نفس کی
پیروی کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اس لیے علمائے حق
کا یہ فریضہ ہے کہ لوگوں کو گمراہ جماعتوں سے آگاہ کرتے رہیں اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں
کی تردید میں کوتاہی نہ کریں۔

سنت و بدعت کی بحث

سنت کی اہمیت و فضیلت اور بدعت کی قباحیت و شناعة اظہر من الشمس ہے

ارشاد ربانی ہے :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

(آل عمران آیت ۳۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ اگر تم خدا
تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو
خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور
تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور
اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور مہربان ہیں۔

نیز ارشاد بارکی تعالیٰ ہے :

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ
وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی
اطاعت کی، اور جو شخص روگردانی کرے

عَفِطًا (النساء آیت ۳۷)

اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِّيعُوا اللَّهَ وَ
اطِّيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ
(سورہ محمد آیت ۳۳)

✽ ✽ ✽ ✽

نیز ارشاد خداوندی ہے

وَمَا أَمَرَ الرَّسُولُ أَنْ يُعَذِّبَكُمْ
عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ -
(حشر آیت ۵)

سو ہم نے آپ کو ان کا گمراہ بنا کر نہیں بھیجا

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور
"اللہ اور رسول کی مخالفت کر کے، اپنے اعمال کو
بر باد مت کرو۔"

اور رسول تم کو جو کچھ دیں اس کو لے لو، اور
جس چیز سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ،
اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت
کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے

ان تمام آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اتباع اور امتثال امر کی اہمیت
اور تاکید صاف معلوم ہوتی ہے، اور اللہ کے رسول کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا چھلایا ہوا
طریقہ اپنا خواہ کلی طور پر ہو یا کسی خاص بات میں منوع ہے، ارشاد باری ہے

وَأَن تَعِدُوا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ
صَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَشَكْرُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ (انعام آیت ۱۵۲)

دیا ہے تاکہ تم (دوسری راہوں سے) بچو

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس
کے بعد کہ اس کے سامنے ہدایت کا راستہ
ظاہر ہو چکا ہے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر

فَمَنْ يُضْلِكِ الْوَيْسَاقُ مِنَ النَّاسِ
سَبِيلَ الْغَيِّبِ لَا يَرْجِعْ عَلَيْهِ
سَبِيلَ الْغَيِّبِ لَا يَرْجِعْ عَلَيْهِ
سَبِيلَ الْغَيِّبِ لَا يَرْجِعْ عَلَيْهِ

وَصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاعَتْ مَصِيرًا

(سورہ نساء ۱۱۵)

دوسرے راستے پر چلے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ
کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں
داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ راہ خداوندی، طریقہ نبوی اور سوا داعظم کی روش کو
چھوڑ کر کوئی اور روش اپنانا خواہ عقائد میں ہو یا اعمال میں، درجہ بدرجہ نہایت ناپسندیدہ
عمل ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ میں بھی سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت کو
مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

① حضرت عراب بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے وصیت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

أَوْصِيَكُمْ بِمَقْوِي اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدٌ أَحْبَبَ شَيْئًا
فَانْتَهَ مِنْ يَعْشُرُ مِنْكُمْ بَعْدِي
فَسَيَرُ إِخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ
بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
الْمُهَدِّدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَاعْصُوا
عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ
الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ
وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(مشکوٰۃ شریف منہ)

میں تم کو تاکید کی حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ سے
ڈرنے کا اور امیر کی بات سننے اور اس
کی اطاعت کرنے کا، اگرچہ وہ حبشی غلام
ہو، کیوں کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد
زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے
گا، پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور
ہدایت مآب خلفائے راشدین کی سنت
کو مضبوطی سے تھام لو اس کو اور ڈاڑھوں
سے پکڑ لو اس کو اور نئی باتوں سے بچو، کیونکہ

ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی
ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

② اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا:

فَانْخِرُوا الْعِدِيثَ كِتَابَ اللَّهِ وَخَيْرُ

بہترین بات اللہ کا کلام (قرآن مجید) ہے

الْهَدْيِ هَدْيِ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ
الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ يَدٍ عَدِيَّةٍ
مَثَلَاكَةً (مشکوہ شریف ص ۲)

اور بہترین طریقہ زندگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ زندگی ہے، اور بدترین چیز بدعات میں اور ہر بدعت نگرہی ہے۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ الْأَمْسَنُ
أَبْنَى، قَيْسٌ وَمَنْ أَبِي، قَالَ مَنْ
أَخَا عَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَمَّائِي
فَعَدُّ أَبِي (حوالہ بالا)

میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا، آپ سے دریافت کیا گیا کس نے انکار کیا؟ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا بَنِيَّ إِنَّ قَدْرَتَ أَنْ تَصْبِحَ وَتَمْسِيَ
وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غَشٌّ لِأَحَدٍ فَا فَعَلْ
تَعَرَّ قَالَ يَا بَنِيَّ وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي
وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ
أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ -

اے بیٹے! اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ صبح اور شام اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی شخص کی طرف سے کھوٹ اور کدورت نہ ہو تو ایسا کر، پھر آپ نے فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(مشکوہ شریف ص ۲)

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ
أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ يَوْمِ شَهِيدٍ
جس نے میری سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا جبکہ میری امت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہو تو اس کیلئے شہیدوں کا ثواب ہے۔

(حوالہ بالا)

۷) امام مالک بن انسؒ مرسل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَوَكَّلْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ كُنْ تَقْبَلُوا مَا
تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللَّهِ وَ
سُنَّةُ رَسُولِهِ (مشکوٰۃ شریفہ)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک
تم دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ
نہیں ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور اس کے
رسول کی سنت ہیں۔

❖ ❖ ❖

۸) نیز آپ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ وَقَعَ مَصْحَبَ يَدِ عِيٍّ فَقَدْ آمَنَ
عَلَى هَدْيِ الْإِسْلَامِ (حوالہ بالا)

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی بے شک
اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

۹) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِمَا حَبِ يَدُ عِيٍّ
صَوْمًا وَلَا مَسَلَةً وَلَا مَدَقَةً وَ
لَا حَجًّا وَلَا عُمَرَةً وَلَا مَهَادًا وَلَا
مَرْفَادًا وَلَا عَدَلًا، يَخْرُجُ مِنْ
الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ
مِنَ الْعَيْنِ (سنن ابن ماجہ ص ۱)

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتے
ہیں نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ نہ جہاد
نہ کوئی فرض عبادت نہ نقل عبادت، وہ
اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح
گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے

❖ ❖ ❖

۱۰) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا أَحَدَثَ قَوْمٌ يَدُ عِيٍّ إِلَّا رَفَعَ
مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ، فَتَمَسَّكُ
بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ يَدِ عِيٍّ
(مشکوٰۃ شریفہ ص ۳)

جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو
اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، پس
چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت
ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

۱۱) ایک اور روایت میں ہے کہ

مَا أَبْتَدَعَ قَوْمٌ يَدُ عِيٍّ فِي دِينِهِمْ
جَبَّ كَوْنُ قَوْمٍ آتَيْنِ دِينَ مِثْلَ قَوْمٍ كَوْنُ يَدِ عِيٍّ

الْأَمْرَ وَاللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا
 شَوْ لَا يَمُودُ هَذَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ
 الْقِيَامَةِ (حوالہ بالا)

(۱۱) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
 مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ
 فَهُوَ رَدٌّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ شریفہ)
 جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد
 کی جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔

(۱۲) حضرت علی کریم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
 الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عِدْرَتَيْنِ
 مِمَّنْ أَحَدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى
 مُعِدَّةً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
 وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ
 صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
 (مشکوٰۃ ص ۲۳۸ باب محرم المدینہ)
 مدینہ منورہ مقام غیر سے مقام ثور تک حرم
 ہے، پس جس نے اس میں کوئی بدعت
 ایجاد کی، یا کسی بدعت کو پناہ دی تو اس پر
 اللہ تعالیٰ نفرشتوں اور لوگوں کی سب کی لعنت
 ہے نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جاتی ہے
 نہ نقل عبادت۔

ان ارشادات سے ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں سنت کی کتنی
 قیمت ہے اور بدعت کتنی بغض و مذموم چیز ہے۔

بدعت کی قباحت کی وجوہ | رہا یہ سوال کہ بدعت اس قدر بغض کیوں ہے؟ اس پر
 اکابر امت نے طویل کلام کیا ہے، یہاں اختصار کے
 ساتھ چند وجوہ پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ | بدعت کی غوث اور تاریکی لوگوں کو سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے، جیسا
 کہ حدیث روا اور روا سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حامیان بدعت جتنا
 دعت کا اہتمام کرتے ہیں اتنا سنت کا نہیں کرتے۔

دوسری وجہ | بدعت کے علاوہ آدمی جو بھی گناہ کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ
 میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس پر پشیمان ہوتا ہے، اور اس سے

توبہ کر لیتا ہے، مگر بدعت ایسا مغس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، بلکہ نیکی سمجھتا ہے، اس لیے اس کو اپنی غلطی کا کبھی احساس نہیں ہوتا، اور مرتے دم تک توبہ سے محروم رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گناہگاروں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، مگر بدعت کے مرتلین کو کبھی شفا نہیں ہوتی، الّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دستگیری کرے، اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

إِنَّ اللَّهَ جَبَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ حَتَا
يُدْعَى رَدَاةَ الْجَلْبُوتِ فِي الْاَوْسَطِ
(مَجْمَعُ الزَّوَادِ ص ۱۸۹)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو
رد کر دیا ہے۔

تیسری وجہ | دین اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکی، اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہ کا قرب اور رضا حاصل ہو سکتی تھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھر کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نوزد بالشرناقص اور ادھ ہے اور آپ نے احکام خداوندی پہنچانے میں خیانت کی ہے اور قرب درضائے خداوند کی جو راستہ اس بے وقوف کو معلوم ہوا ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوا، وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس کو ہوا ہے، وہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، نہ صحابہ کرام کو نہ تابعین عظام کو، الفرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین عظام نے نہیں کیا، آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صاحبین پر بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و ادراک پر حملہ کرتا ہے، اپنی فہم کو ان کی فہم پر ترجیح دیتا ہے، ابن ابشون کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ :

مَنْ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ يَدْعُو
يَزَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنْ مَعَهُ

جو شخص دین اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، وہ

کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام خداوندی کے پہنچانے میں خیانت کی ہے، یہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

مَنْ آتَى اللَّهَ مَعِي وَتَسْلَمَ حَتَّى
الرَّسَالَةَ لَأَن اللَّهَ يَقُولُ: الْيَوْمَ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ فَمَا لَكُمْ
يَوْمَ تَشْذِبُونَا، فَلَا يَكُونُ الْيَوْمَ
دِينًا (الاعتصام ص ۴۹)

چوتھی وجہ | بدعت کے مذہب و منہج ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بدعت سے دین میں تفریق و تغیر لازم آتا ہے، پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو کسخت کرتے ہیں، اور اس میں تعریف و تہنیت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے تحریف و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں، حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں گا حوض کوثر پر، جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیے گا، اور جو اس کا پانی پیے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، یقیناً کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا، اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آؤ کر دی جائے گی تو میں کہوں گا یہ تو میرے آدمی ہیں، مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کیا، پس میں کہوں گا خدا کی پھٹکار خدا کی پھٹکار ان لوگوں پر ہے جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔

إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ
سَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ
لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لِيَرِدَنَّ أَقْوَامُ
أَعْرَفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يَحُلُّ
بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمُ مَعِي
فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَخَذَ قَوْمًا
بَعْدَكَ فَأَقُولُ سَحَقًا سَحَقًا لَيْنُ
ثُمَّ تَعْدِي، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوۃ
شریف ص ۳۳۳ باب العوض والشفاعۃ)

☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆

سُحْقًا سُعْقًا لِمَنْ عَيَّرَ بَعْدِي سے معلوم ہوا کہ بدعت کفر لینے سے دین میں قریب و تیز لازم آتا ہے اس لیے شریعت کی نگاہ میں کفر و شرک کے بعد سب سے زیادہ بیخود و بے بدعت ہے،

سنت و بدعت کی تعریفات

سنت کی اہمیت اور بدعت کی تباہی پہچاننے کے بعد اب دونوں کی تعریفات ان کے اقسام اور ان کو پہچاننے کے لیے قواعد و ضوابط کا جائنا ضروری ہے، طلبہ کے لیے سب سے اہم بحث یہی ہے، اس لیے اس کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے، طلبہ کو چاہیے کہ اس کو بغور پڑھیں اور یاد کریں۔

سنت کے لغوی معنی | لفظ سنت کا مادہ ہے سین اور ذون، اس مادہ کے اصلی معنی ہیں جَوَّيْنُ الشَّيْءِ وَالطَّرَافَةُ فِي سَهْوَةٍ؛ کسی چیز کا بہنا اور آسانی کے ساتھ جاری ہونا، یہ مادہ جہاں جہاں پایا جاتا ہے سب جگہ یہ بنیادی معنی

ضرور موجود ہوتے ہیں مثلاً:

① سَنَنْتُ الْمَاءَ (ن) سَنَتْ عَلَيَّ دَجْهِي: میں نے اپنے چہرے پر آہستہ آہستہ پانی گرا دیا جو ہولت کے ساتھ بہتا چلا گیا۔

② نَزَجِبَ آبُ لَوْحٍ كُوسَانٍ پَر چلا کر تیز کرتے ہیں تو کہتے ہیں سَنَنْتُ الْعَدِيْدَةَ (ن)، سَنَتْ میں نے سان سے لوبا تیز کیا یعنی لَوْحٍ كُوسَانٍ پَر چلایا۔

③ رَجُلٌ مُسْتَوْنُ الْوَجْهِ: کتابی یعنی لمبو ترے چہرے والا آدمی کَانَ النَّعْمَ قَدْ سَنَّ عَلَيَّ وَجْهِي گویا گوشت اس کے چہرے پر بہا دیا گیا ہے۔

④ حَمَّاءُ مُسْتَوْنٌ: بدبودار کچھ کَاثَةُ قَدْ حُصِبَتْ حَبًّا: گویا اس میں خوب پانی اترا گیا ہے۔

لِ الْفَرَادِ الْأَنْهَارِ: جاری ہونا سَنَ مَقَابِيِسُ اللُّغَةِ لِابْنِ فَارِسٍ مَادَّةُ سَنَ

- ۵) امض علی سُنَّتِكَ وَسُنَّتِكَ: اپنی روش پر چلتا رہ۔
 ۶) کیا جاتا ہے جَاءَتْ الدُّرُجُ عَلٰی سُنَّتَيْنِ ہو ایک ہی انداز پر چلتی رہی۔
 ۷) قرآن کریم میں متعدد جگہ سنت الشّر کا ذکر آیا ہے جس کے معنی ہیں عادت جاریہ،
 علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

من العادات التي تَحْتَمِلُ ان يفعل في الثاني مثل ما فعل في الاول (مجموعه فتاوى ابن تيمية ج ۳)
 سنت وہ عادت ہے جس میں یہ بات پائی جائے کہ دوسرے معاملہ میں بھی ایسا ہی فیصلہ کرے جیسا کہ اس کی نظیر میں پہلی بار کیا تھا، خود علامہ نے اپنی اس عبارت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ يَحْكُمُ فِي الْأُمُورِ الْمُشَابِهَةِ بِأَكْثَرِ سُنَّتَيْنِ: ایک جیسے معاملات میں ایک جیسے فیصلہ کرنے کا نام ”عادت“ ہے پس عادت جاریہ میں جو لفظ ”جاریہ“ ہے وہ صفت کا شرف ہے،

۸) سنت کے مشہور معنی ہیں سیرت اور طریقہ، خالد بن زبیر ہڈی لکھتا ہے۔
 فَلَقَّحُوا عَنْ مِثْلِ سُنَّتِكَ أَنْتَ سِرَّتَهَا مَا أَكَلُ رَاحِي سُنَّةٍ مَنْ يَسِيرُ رَاحِيَا
 ترجمہ: تو ہرگز نہ کھرا کسی ایسے طریقہ سے جس پر تو چل رہا ہے، کیونکہ کسی طریقہ کو سب سے پہلے وہی شخص پسند کرتا ہے جو اس پر چلتا ہے۔

الغرض اس مادہ کے مختلف استعمال آپ کے سامنے ہیں، سب میں جاری ہونے اور چلنے رہنے کے معنی قدرے مشترک ہیں، اور یہ سب لغوی معنی ہیں۔
 سنت کے اصطلاحی معنی تین ہیں۔

سنت کے اصطلاحی معنی ۱) فن حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں

سنت ان باتوں کو کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، خواہ وہ آپ کے ارشادات ہوں، یا آپ کا کیا ہوا کوئی کام ہو یا آپ کی فرمائی ہوئی کوئی تائید ہو۔
 اور متقدمین کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال بھی سنت

کے مصداق میں داخل تھے، اور یہی احناف کی رائے ہے، لیکن متاخرین نے امام شافعیؒ کی رائے سے متاثر ہو کر صحابہ کرامؓ کے اقوال و افعال کو سنت سے خارج کر دیا، حافظ ابن حجر الشرح الباری میں کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ سنۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، یعنی آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی تائیدات اور وہ چیزیں جن کے کرنے کا آپ نے ارادہ فرمایا، اور سنت کے اصل لغوی معنی ہیں: طریقہ، اور اصولی حضرات اور محدثین کے نزدیک سنت کے معنی وہ ہیں جو پہلے بیان ہو چکے۔

والمؤاد..... یا السنۃ ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اقوالہ و افعالہ و تقریرہ و ما صور بفعله و السنۃ فی اصل اللغۃ الطریقۃ و فی اصطلاح الاصولیین و المحدثین ما تقدم (فتح الباری ج ۲۳ ص ۱۳۳)

اور علامہ ابوالاسحاق شافعیؒ مالکی رحمہ اللہ "الموافقات" میں ارقام فرماتے ہیں کہ: سنۃ کا لفظ ان امور کے لیے بولا جاتا ہے جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور قرآن پاک میں ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

یطلق لفظ السنۃ علی ما جاء منقولاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص مما لو یُخصّ علیہ فی الکتاب العزیز نور الانوار میں ہے۔

سنۃ کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور سکوت پر ہوتا ہے، اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال پر بھی۔

السنۃ: تطلق علی قول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و فعلہ و سکوتہ و علی اقوال الصحابة و افعالہم (ص ۱۵۱)

وجہ تسمیہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں جاری ہوتے ہیں، یعنی امت کے لیے وہ ایک معمول اور دستور العمل ہیں، اصول فقہ کی کتابوں کے آغاز میں جو چار اصول شرع کا تذکرہ آتا ہے

جن میں دوسرا بزرگ سنت کا ہے اس سے سنت کے یہی معنی مراد ہیں
 ② علم فقہ کی اصطلاح میں سنت احکام فقہ (فرض، واجب، سنت، حرام اور مکروہ تحریمی) میں سے ایک حکم ہے، پس فقہائے کرام کے نزدیک سنت وہ حکم شرعی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا ہو، مراقی الفلاح میں ہے
 وَالسُّنَّةُ لُغَةً الطَّرِيقَةُ وَبُيُوتُ السُّنَّةِ
 واصطلاحاً الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ
 فی الدین من غیر لزوم -
 (محطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۵)
 اور دستور العلماء میں ہے :

وَالسُّنَّةُ بضم الهمزة وتشديد
 الثانی فی اللغة الطَّرِيقَةُ مَرَجِيَّةٌ
 اذ غیر مَرَجِيَّةٌ، وفی الشرع هی
 الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ الْعِبَادِيَّةُ فِی
 الدِّین من غیر افتراقٍ ولا دَجْوٍ
 سواءٌ سَلَکَها الرَّسُولُ عَلَیْهِ
 الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَوْ خَیْرُهُ مِمَّنْ
 هُوَ عَلَوٌّ فِی الدِّین
 (دستور العلماء ص ۱۸۲)
 محطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے :
 وَالسُّنَّةُ عِنْدَ الْعَنْفِیَّةِ مَا فَعَلَهُ
 صَلَّی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صَنَعَهُ
 بَعْدَهُ (ص ۳۷)

احناف کے نزدیک سنت وہ عمل ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، یا آپ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہو۔

نام شافعی
 حافظ ابن
 تہ ہیں کہ
 یہی کریم م
 وال وفعال
 جن کے
 اور سنت
 در اصولی
 سنت کے
 کہ :
 لاجا تا ہے
 سلم سے
 ان کو بیان
 سلم کے
 اور
 ی۔
 اس لیے
 ایک
 آتا ہے

وجہ تسمیہ

اور فرض و واجب کے علاوہ احکام شریعہ کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی امت میں رائج اور معمول رہا ہوتے ہیں۔

(۳) اور عرف شرع میں سنت ان اقوال و اعمال اور عقائد کو کہا جاتا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اپنایا ہے، حافظ ابن رجب جنبل ارشاد نبوی عَلَیْکُمْ بَسْمَتُیْ و سُنَّتُیْ الخلفاء الراشدین کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

وَالسُّنَّةُ هِيَ الطَّرِيقُ الْمَسْلُوكُ
فَيَشْمَلُ ذَلِكَ التَّشَكُّكُ بِمَا كَانَ
عَلَيْهِ هُوَ وَخَلَفَاؤُهُ الرَّاشِدُونَ
مِنَ الْأَعْقَادَاتِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَقْوَالِ
وَهَذِهِ هِيَ السُّنَّةُ الْكَامِلَةُ، وَ
لَهُذَا كَانَ السَّلَفُ قَدِيمًا لَا
يُطْلَقُونَ اسْمَ السُّنَّةِ إِلَّا عَلَى مَا
يَشْمَلُ ذَلِكَ كَلِمَةُ (جامع العلوم والحکوم ص ۱۸۹)

اور علامہ شامی مالکی رحمہ اللہ سنت کے مختلف معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں
وَيُطْلَقُ أَيْضًا فِي مَقَابِلَةِ الْمَدْعَةِ
فَيَقَالُ "فُلَانٌ عَلَى سُنَّةٍ" إِذَا عَمِلَ
عَلَى وَفْقِ مَا عَمِلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ
ذَلِكَ مِثْلًا نَصَّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ
أَوَّلًا، وَيُقَالُ "فُلَانٌ عَلَى مَدْعَةٍ"
إِذَا عَمِلَ عَلَى خِلَافِ ذَلِكَ -

وَيُطْلَقُ أَيْضًا لَفْظُ السُّنَّةِ
عَلَى مَا عَمِلَ عَلَيْهِ الصَّعَابَةُ،

نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "فلاں سنت پر ہے"، جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق کام کرے، چاہے وہ کام قرآن پاک میں صراحت بیان کیا گیا ہو، یا بیان نہ کیا گیا ہو، اور کہا جاتا ہے کہ "فلاں بدعت پر ہے"، جب وہ اس کے خلاف کام کرے نیز لفظ سنت کا اطلاق اس کام پر بھی ہوتا ہے جس کو صحابہ کرامؓ نے کیا ہے، چاہے

وَمِنْ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ أَوَّلُ السُّنَّةِ أَوْ
لَوْ وَجِدَ، لَكُنْ مِنْهُ اتِّبَاعًا لِّلْسُنَّةِ
ثَبَّتَ مِنْهُ وَلَوْ تَقَرَّرَ الْيَسَارُ
ارْجَبَهُ إِذَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ
(الموافقات ص ۶۶)

وہ کام کتاب وسنت میں مراعات موجود ہو یا
مراعات موجود نہ ہو، کیوں کہ وہ کام ایسی سنت
نبوی کی اتباع کی وجہ سے ہو گا جو ان کے
نزدیک ثابت ہے اور ہم تک وہ سنت
منقول ہو کر نہیں پہنچی، یا مستحق علیہ اجتہاد کی
بنیاد پر ہو گا۔

محدث عمر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب: نوری نور الشرم قدہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ارشاد اَلْوُتْرُلَيْسَ بِعَتَمٍ كَمَا لَا تَكُونُ الْمَكْتُوبَةُ لَكِنْ سُنَّةٌ رَّسُولِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وضاحت کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:

لَا يَصِحُّ اِنْ يَسْتَدِلُّ بِهَذَا اَعْلَى اَنْ
الْوُتْرُلَيْسَ لِوَاَجِبِ الْاِنْ لَفْظُ السُّنَّةِ
فِي تَعْبِيرِ الشَّرْعِيَّةِ يُوَادُّ بَهْنَا
الطَّرِيقَةَ الْمَسْلُوكَةَ، لَا السُّنَّةَ
الَّتِي امْتَلَحَ عَلَيْهَا فَقَهَاءُ الْاَلَّةِ
فَاِنَّ الْاِطْلَاقَ بِالْمَعْنَى الْمُصْطَلَحِ
مُسْتَعْدَتْ، رَجَاءً مَعْدُ الْاِطْلَاقِ
لِلْسُنَّةِ مَعْنَى الْفَرِائِضِ الْمُتَّفَقِ
عَلَيْهَا، وَنَظَائِرُهَا كَثِيرَةٌ جَبَّتْ
(معارف السنن ص ۱۶۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے
یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ وتر
واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اس لیے کہ عرب
شرع میں لفظ سنت سے مراد ایسا طریقہ ہوتا
ہے جس کو اپنایا گیا ہو، سنت کے وہ معنی
مراد نہیں جو فقہائے امت نے وضع کیے ہیں
کیوں کہ سنت کا اصطلاحی معنی میں استعمال
عادت ہے، اور بہت سی جگہ ہم دیکھتے ہیں
کہ سنت کا اطلاق متفق علیہ فرائض پر کیا جاتا
ہے، اور اس کی نظیر یہ بے شمار ہیں۔

اور حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”سنت طریقہ کو کہتے ہیں، پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا وہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے“
(اختلاف امت اور مراط مستقیم ص ۹۵)

الفرض یہ سنت کے شرعی معنی ہیں، اور علیکم وسنتی وسنتہ الخلفاء
الراشدین میں سنت کے یہی معنی مراد ہیں، اور بدعت کے مقابلہ میں جب سنت کا
لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے سنت کے جو معنی بیان کیے گئے
ہیں وہ فقہائے کرام کی مخصوص اصطلاح ہے
مع لفظ الفقہاء میں ہے۔

السُّنَّةُ: بِضَوْرٍ اَوَّلِهِ وَفَتْحِ ثَانِيهِ
جُ صُنَّ الطَّرِيقَةُ وَالتَّيْلُورَةُ

• عِنْدَ الْاَصُولِيِّينَ: مَا اُنْشَرَعَ
عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ
اَوْ تَقْرِيرٍ، وَعِنْدَ الْمُحَدِّثِينَ:
مَا اُنْشَرَعَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ مِنْ قَوْلٍ
اَوْ فِعْلٍ اَوْ تَقْرِيرٍ اَوْ صِفَةٍ، وَعَلَى
هَذَا فَالْسُّنَّةُ اَمَّا قَوْلِيَّةٌ وَاَمَّا
فِعْلِيَّةٌ وَاَمَّا تَقْرِيرِيَّةٌ وَاَمَّا وَصْفِيَّةٌ
• الطَّرِيقَةُ الْمَشْرُوعَةُ فِي الدِّينِ
ضِدَّ الْمُدْعَاةِ

• مَا كَانَ فِي مَشْرُوعِيَّةِ دُونِ
الْوَاجِبِ وَفَوْقِ الْمُنْدُوبِ رَنْشَہ

سنت پہلے حرف کے فتنہ اور دوسرے حرف
کے فتنہ کے ساتھ، کے معنی ہیں طریقہ اور سیرت
(۱) اور اصولیین کے نزدیک سنت وہ قول
یا فعل یا تأیید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے منقول ہے اور محدثین کے
دیکھ وہ قول یا فعل یا تأیید یا وصف ہے
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے
اس تعریف پر سنت یا لائق قولی ہوگی یا فعلی
یا تأییدی یا وصفی۔

(۲) سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں مشروع
ہے بدعت کی ضد

(۳) سنت وہ حکم شرعی ہے جو واجب سے
ادنیٰ اور مندوب سے اعلیٰ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال اور عقائد کو سنت
وجہ تسمیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ امت کے لیے یہ باتیں دستور العمل ہیں، پس ان کا رد
اور چلن ہوا اس لیے ان کو سنت کا نام دیا گیا۔

بدعت کے لغوی معنی ۱ ب، د، ع، کے بنیادی لغوی معنی دو ہیں۔

۱ کسی چیز کو بغیر سابق نمونہ کے بنانا، اور شروع کرنا، کہا جاتا
نہ یہ محض اس لغوی اور عام صوابی کی ترتیب دی ہوئی مراد انگریزی کو شری ہے اور ادارۃ القرآن (بقیہ صفحہ ۲ پر)

ہے اَبْدَعْتَ الْقَوْلَ میں نے انوکھی بات کہی، اور اَبْدَعْتَ الْفِعْلَ میں نے نیا کام شروع کیا، ارشاد خداوندی ہے مَبْدِعُ الْمَشْخُوعَاتِ وَالْاَرْضِ اللّٰهُ تَعَالٰی آسمان اور زمین کو بغیر سابقہ نمونہ کے پیدا کیا نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے : مَا كُنْتُ بِمَدَّامِنِ الشُّرُكِيِّ : میں کوئی انوکھا (بالکل نیا) رسول نہیں ہوں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

السَّيِّدُ مَعَ كُلِّ شَيْءٍ عَمِلَ مَعَهُ خَلْقٌ
مِثَالِ سَبْقٍ (موقات ج ۲)

بدعت ہر وہ نئی چیز ہے جو سابقہ نمونہ کے بغیر بنائی گئی ہو

اور مُغَرَّبٌ میں ہے :

السَّيِّدُ مَعَ اسْمٍ مِّنْ اِبْتِدَاعِ الْاَمْرِ
اِذَا ابْتَدَأَ وَاحِدُهُ (مغرب ص ۲)

بدعت : ابتداء کا اسم ہے اور اِبْتِدَاعُ الْاَمْرِ کے معنی ہیں ابتدا کرنا اور ایجاد کرنا۔
② کسی چیز کا ختم ہو جانا اور تھک جانا، کہا جاتا ہے اَبْدَعْتَ الزَّاهِدَةَ : اونٹنی تھک گئی اور ہلاک ہو گئی، حدیث شریف میں ہے :

اَنْ رَّحِلَ اَتَاكَ فَعَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
اِنِّى اَبْدَعْتُ بَنِي فُلَانٍ

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول : میری اونٹنی ہلاک ہو گئی اور میں بے سہارا ہو گیا ہوں،
(ابوداؤد کتاب الادب)

پس آپ مجھے کوئی سواری عنایت فرمائیے
بدعت کے اصطلاحی معنی

بدعت کے اصطلاحی معنی علماء امت نے مختلف انداز سے بیان کیے ہیں، مگر وہ صرف تبصر کافرق ہے، سب کی عبارتوں کا خلاصہ ایک ہے،
زیر میں چند تعریفات پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

① امام نووی رحمہ اللہ نے بدعت کے اصطلاحی معنی یہ بیان کیے ہیں۔
احداث ما لم يكن في عهد
رسول الله صلى الله عليه وسلم

ایسی چیز ایجاد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی۔
(موقات ج ۲)

② اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے :
شيء ما شيعته في الإسلام كراعيه شاع بهي

۱۲۔

بدعت وہ چیز ہے جوئی شرع کی گئی ہو اور
شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

البدعة ما احدث ولم يكن
الحاصل في الشرع (فتح الباری ۲/۲۵۳)

(۳) امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے:
ما احدث يعالف كتاباً او سنة
او اشراً او اجماً عن هذه بدعة
الضلال (حوالہ بالا)

(۴) اور حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں کہ:

المراد بالبدعة ما احدث ما
لا اصل له في الشريعة يدل
عليه، اما ما كان له اصل من
الشرع يدل عليه فليس
ببدعة، وان كان بدعة فنة
اجماع العلوم والحكم (۱/۱۳۳)

(۵) اور امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ:

والبدعة في المذهب اي
قول لم يكن قائماً او فاعلها
فيه بصاحب الشريعة و
ما قبلها المتقدم و اصولها
المتقنة (مفردات القرآن ۳/۲۷)

(۶) اور حافظ بدر الدین عینی ارقام فرماتے ہیں کہ:

والبدعة في الاصل احداث
امر لم يكن في زمن رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم عمدة القاری
۵۶۳

بدعت اصل میں ایسی چیز کے ایجاد کرنے
کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔

۷ علامہ ابوالاسحاق شافعی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

لبدعة طریقة فی الدین بدعت : دین میں ایسا کیا ہو اودہ طریقہ ہے
 غلرعة فمما فی الشریعة جو شریعت کے مشابہ ہو ، اور اس پر عمل
 بمصد بالسلوک علیہما کرنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہوتا
 یقصد بالطریقة الشرعیة ہے (یعنی فلاح دارین کے قصد سے
 (الاغتصام ص ۳۱۷) اس پر عمل کیا جائے)

۸ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ :

”بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرآن شہود ہا بالخیر میں نہ ہو ،
 اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے ،“ (فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الحدیث ص ۱۷۸)

۹ اور مفتی کفایت الرحمن صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :

”بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت ہو ، یعنی قرآن مجید اور
 حدیث شریفہ میں اسکا ثبوت نہ ملے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 جو اللہ اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو ، اور اس کو دین سمجھ کر کیا یا تصور کیا جائے“
 (تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص ۲۷)

ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی
 دلیل شرعی نہ ہو ، یعنی قرآن ، حدیث ، اجماع اور قیاس شرعی میں سے کوئی اسکے جواز پر دلالت
 نہ کرے ۔۔۔۔۔۔ اور امام نووی اور حافظ بدر الدین عینی نے جو یہ فرمایا ہے کہ ”بدعت
 ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو ، اس
 سے وجود خارجی مراد نہیں ہے ، بلکہ وجود شرعی مراد ہے ، اور وجود شرعی نام ہے ”دلیل جواز کے ہونے“
 کا ، پس جس چیز کا جواز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل یا تقریر سے صراحتاً یا اشارۃً
 ثابت نہ ہو سکے ، اس کا وجود شرعی قیامت تک نہیں ہو سکتا ، اور جس چیز کا جواز آپ کے قول و
 عمل یا تقریر سے ثابت ہے اس کا وجود شرعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا ، چاہے
 اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو ، لہذا حافظ بدر الدین عینی اور امام نووی کی بیان کردہ تعریف کا حاصل

بھی ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو، چنانچہ
 فزنی مخالف کے مشہور عالم مولوی محمد صالح صاحب بھی بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں کہ:
 (۱) اصطلاح شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیل
 شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو، نہ کتاب سے نہ احادیث نبویہ سے نہ اجماع مجتہدین سے
 نہ قیاس شرعی سے (تحفۃ الاحباب ص ۹۵)

وجہ تسمیہ | بدعت کے اصطلاحی معنی اس کے دو لغوی معنی میں سے پہلے معنی سے اخذ ہیں۔

لفظ بدعت کا استعمال | اور بدعت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں وہ اصطلاحی معنی ہیں
 یعنی شرعی معنی ہیں، اور احادیث نبویہ میں جہاں کہیں لفظ بدعت
 آیا ہے وہاں یہی معنی مراد ہیں، مگر قرآن اولیٰ میں کبھی ہر نئی بات کو بدعت کہہ دیا جاتا تھا، خواہ
 اس کے جواز کی دلیل ہو یا نہ ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کے بارے میں
 یہ ارشاد کر:

بِعَمَّتِ الْبَدْعَةُ هَذِهِ یہ کتنی اچھی بدعت ہے!

یہ لفظ بدعت کا لغوی معنی میں استعمال ہے، اور بدعت لغوی بدعت شرعی سے عام
 ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس عام معنی کا لحاظ کر کے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک
 بدعت محمودہ اور دوسری بدعت مذمومہ، فتح الباری میں ہے

قال الشافعي: البدعة بدعتان امام شافعی نے فرمایا کہ بدعت کی دو قسمیں
 مَعْمُودَةٌ وَمَذْمُومَةٌ، فما وافق ہیں، بدعت محمودہ اور بدعت مذمومہ، پس
 السنة فهو محمودٌ وما خالفها جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو سنت
 فهو مذمومٌ (ص ۲۵ ج ۱۳) کے خلاف ہو وہ مذموم ہے،

اور علامہ عز الدین بن عبدالسلام نے اس عام معنی کو پیش منظر رکھ کر بدعت کی پانچ
 قسمیں کی ہیں، واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح، محدث جلیل حضرت مولانا
 غلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ "براین قاطعہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”وہام علماءِ اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعتِ لعنت میں امرِ جدید کو کہتے ہیں، اور کتبِ شرعیہ میں جو اخلاق اس لفظ پر ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ جو امر بعدِ فیءِ عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو یا مذموم اعمیٰ اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دقتیں کرتے ہیں، قسم اول کو محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس اول کو بدعتِ حسنہ نام رکھتے ہیں، اور حق بالشرع جانتے ہیں، اور دوسری قسم بدعتِ ضلالت ہے، پس یہ حد بدعت کی عام بھلائی ہے اور کسی جگہ بدعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقِ مرضیہ شارع علیہ السلام کے، یعنی اس کے جواز کی دلیل شرعیہ میں نہ ہو، اور یہ معنی خاص ہیں، اور کتبِ شرعیہ میں اس سے ہی بحث ہوتی ہے،“ (براہین قاطعہ ص ۳۷)

الحاصل عام معنی یعنی نفوی معنی کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بُری، مگر خاص معنی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی نہیں ہوتی، ہمیشہ قبیح ہوتی ہے۔

بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی | بدعتِ شرعی کی دو قسمیں ہیں ایک بدعتِ اعتقادی اور دوسری بدعتِ عملی۔ اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہیں، اسی طرح شیعو، خوارج، معتزلہ، قدریہ اور جبریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ، یہ سب اعتقادی بدعات ہیں اور یہ سب فرقے شرعی اصطلاح میں اہل بدعت ہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، اور عملی بدعت یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو، اور ایسے اعمال اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا، اور قبروں پر چرخ روشن کرنا وغیرہ

بدعتِ حقیقی اور بدعتِ اضافی

علامہ ابوالاسحاق شافعی رحمہ اللہ نے بدعتِ شرعی کی ایک اور اعتبار سے دو قسمیں کی ہیں، ایک بدعتِ حقیقی، دوسری بدعتِ اضافی۔

بدعتِ حقیقی وہ ہے جو اصولِ شریعت کے بالکل خلاف ہو جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل جاننا، پختہ مزاج بنانا وغیرہ۔ اور بدعتِ اضافی وہ ہے جو من وجہ جائز ہو اور من وجہ ناجائز ہو، یعنی ذات کے اعتبار سے جائز ہو، مگر کیفیات و قیودات کی وجہ سے ناجائز ہو، جیسے مرقعہ میلاد کوئی نفہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور سیرت طیبہ کا تذکرہ کرنا اور غیر وہ ہے مگر مرقعہ طریقہ پر ناجائز اور بدعت ہے، اسی طرح تبا، ساواں، دساواں اور چالیسواں کرنی حد ذاتہ ایصالِ ثواب جائز ہے، مگر ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعیین بدعت ہے۔

بدعت کی تعریف و تقسیم کے بعد ذیل میں چند اصول بدعات کو پہچاننے کے لیے اصول ذکر کیے جاتے ہیں جن سے بدعات کے پہچاننے میں مدد ملے گی۔

① جس فعل کا سبب اور محرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہو، نہ صحابہ کرام کو اس کے کرنے کا حکم دیا ہو، نہ تعزین دی ہو، تو ایسا کام کرنا بدعت ہے۔ جیسے مرقعہ میلاد کا سبب و یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، اس وقت موجود تھا، اور صحابہ کرام کو آپ سے گہرا عشق اور عقیدت و محبت تھی، لیکن اس کے باوجود نہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منایا، نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا، جب منسوب اور محرک موجود تھا، اور میلاد کا مرقعہ طریقہ موجود نہیں تھا، تو بعد میں قیاس و اجتہاد سے ثابت کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہے۔ اسی طرح آپ کی دو ازواجِ مطہرات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب ام المصائب رضی اللہ عنہا، اور آپ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور جلیل صاحبزادے آپ کی زندگی میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے، مگر آپ نے نہ ان کا تبا کیا، نہ ساواں

زد سوال، نہ چالیسواں کیا، تو بعد میں ان امور کے ایجاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی
 ② شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے، اس میں اپنی طرف سے تو دلگنا بدعت ہے،
 مثلاً شریعت نے زیارت قبور کے کیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، پس کسی بزرگ کی قبر
 پر جانے کے لیے ایک وقت مقرر کر لینا، اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا،
 — اسی طرح شریعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، بزرگانِ دین اور عام مسلمانوں کے
 ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے
 لہذا اس کے لیے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کرنا، اور ان کی پابندی
 کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

③ مطاببات شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی روح اور قالب یا معنی اور صورت
 دونوں کو شریعت نے متعین کر دیا ہے، جیسے نماز کہ روح اس کی ذکر اللہ ہے، جیسا کہ
 اَتَجِدُ الْمُتَلَوِّۃَ لِذِكْرِیْ ہے واضح ہے، اور اس کے ساتھ نماز کے قالب اور
 ظاہری صورت کو بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے کہ ہر رکعت میں قیام کے ساتھ ایک
 رکوع اور دو سجدے ہوں گے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے مطاببات میں روح اور معنی
 کے ساتھ ظاہری صورت بھی چونکہ مطلوب ہے اس لیے ظاہری صورت میں کسی قسم کی ترمیم
 یا اضافہ کرنا بدعت ہوگا۔

اس کے برخلاف شرعی مطاببات کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح کا مطالبہ
 کر کے قالب اور صورت کے متعلق آزادی بخشی گئی ہے، مثلاً جہاد کی روح اعلا بکلمۃ اللہ
 اور کفر و شرک کی شوکت و قوت کا ازالہ ہے، لیکن شریعت نے جہاد کی کوئی خاص صورت
 متعین نہیں فرمائی ہے، عہد نبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے فریضہ کو تلوار اور تیر و کمان وغیرہ
 آلات و ذرائع اختیار کر کے ادا کرتے تھے، لیکن موجودہ دور میں جنگ کے آلات بدل گئے
 آٹھ ایم بی ایم اور میزائل و راکٹ وغیرہ نئے آلات حرب استعمال ہونے لگے ہیں، لہذا جو شخص
 ان جدید آلات حرب کو استعمال کر کے جہاد کا فریضہ انجام دے گا، وہ یقیناً شریعت کے مطالبہ
 کی تعمیل کرنے والا ہوگا، اس پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ نئے آلات حرب استعمال

کر کے بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

④ جو کام بذات خود مستحب اور مندوب ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جائے لگے، اور اس کے تارک کو ملامت کی جائے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے بدعت بن جاتا ہے مثلاً سلام پھیرنے کے بعد دواہنی جانب گھوم کر مقتدیوں کے طرف متوجہ ہونا سنت ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں، اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مستحب عمل بدعت ہو جائے گا۔ یا مثلاً نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْعَلِیُّ اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتَكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ پڑھنا مسنون ہے، مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مسنون عمل بدعت بن جائے گا۔

⑤ جو کام فی نفسہ جائز ہے، مگر اس کے کرنے میں کفار و فجار اور گمراہ لوگوں کی مشابہت لازم آئے تو اس کا کرنا ناجائز اور بدعت ہو گا کیوں کہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و فجار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ تمام وہ اعمال و افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے بشرطیکہ وہ اعمال فرض اور واجب نہ ہوں، حضرت لاعلی قاری رحمہ اللہ شرح شکوۃ میں اس تمام فرماتے ہیں کہ :

اِنَّ كُلَّ سُنَّةٍ تَكُونُ شِعَارًا لِطَائِفَةٍ
تُرَكُّهَا اِنَّهَا (مرقات ص ۴۷) کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ ہر وہ سنت جو اہل بدعت کا شعار ہو اس

اللَّهُمَّ ارِنَا النِّعَةَ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَارِنَا الْبَاطِلَ بِاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ، وَاحْيِنَا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ وَامْتِنَا عَلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ
وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

محمد امین پالنپوری

۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

بَابُت سَهْلُ اللّٰه

تیسرا محاضره علميہ

بر موضوع

B



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالپنوری

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند



نعمدہ و فضلی علی رسولہ الکریم... اما بعد

دوسرے محاضرے میں بیان کیا گیا تھا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں :-
 بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ صلعم عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہیں۔ بدعت عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو البتہ اعمال ایسے اختیار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا، اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ۔ اس محاضرے میں رضا خانی فرقہ کے کچھ اعتقادی بدعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے

علم غیب کا مسئلہ

(۱) ※

※

”علم غیب“ مرکب اضافی ہے، اس کو سمجھنے کے لیے اس کے دونوں اجزاء کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے، علم کی حقیقت تو سبھی حضرات جانتے ہیں، البتہ غیب کی وضاحت ضروری ہے جو درج ذیل ہے۔

غیب کی تعریف غیب اور مغیب دونوں غَابَ یَغِیْبُ کے مصدر ہیں، اور غَابَ الشَّيْءُ عَنْ فُلَانٍ کے معنی ہیں پوشیدہ ہونا، پس غیب کے لغوی معنی ہیں: ایسی چیز جو ہم سے پوشیدہ ہو، اس کی جمع غُیُوبٌ آتی ہے، اور مَغِیْبٌ کی جمع مَغِیْبَاتٌ ہے، قاموس میں ہے،
 ”الْغَيْبُ مَا غَابَ عَنْكَ“
 غیب وہ چیز ہے جو آپ سے پوشیدہ ہو۔
 اور مغرب میں ہے :-

الْغَيْبُ: مَا غَابَ عَنِ الْعُيُونِ وَ
وَأَن كَانَ مُعْتَمِدًا فِي الْقُلُوبِ
غیب وہ ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہو چاہے وہ لوگوں میں موجود ہو۔

اور عرف شرع میں غیب ہم وہ چیز ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے، حافظ عطاء الدین اشعاعی
بن کثیر، سُدی مفسر کے حوالے سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی
صحابہ کرام رضاکا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

أَمَّا الْغَيْبُ: فَمَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ
مِنْ أَمْرِ الْجَنَّةِ وَ أَمْرِ النَّارِ وَمَا ذَكَرَ
فِي الْقُرْآنِ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷)
غیب: وہ ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہو جیسے جنت
اور دوزخ کے حالات اور جو کچھ قرآن پاک میں
بیان کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا جواب غیب کی اس تعریف پر کسی کو اگر یہ شبہ ہو کہ جنت اور دوزخ وغیرہ کے حالات
تو ہمیں معلوم ہیں، ان کو غیب کہنا کیوں کر درست ہے؟ تو اس کا جواب
یہ ہے کہ وحی و الہام کے ذریعہ جن امور غیبیہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مطلع فرمایا ہے اور انبیاء و مرکزا
کے بتلانے سے ہم ان کو جانتے ہیں، وہ سب چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں، جو اس ظاہرہ سے ہم ان کا
ادراک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، اس لیے ان کو غیب کہنا درست ہے، قرآن پاک میں بھی ایسی
چیزوں کو غیب کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:-

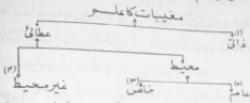
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
(سورۃ بقرہ آیت ۳)
جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا یعنی جو چیزیں
ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں جیسے دوزخ جنت
طاغوت وغیرہ ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ

سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں (فوائد شیعہ البند)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن امور غیبیہ کے کچھ احوال ہم جانتے ہیں ان کو بھی غیب ہی کہا جائے گا
کیوں کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہیں، اور ان کے کچھ حالات کا ہمیں جو علم ہے وہ انبیاء کرام کے توسط سے ہے
اور انبیاء کرام کو وحی و الہام کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، جو اس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مغیبات کے جاننے کی چار قسمیں اور ان کے احکام

مغیبات کے جاننے کی بنیادی قسمیں دو ہیں، ذاتی اور عطائی، پھر عطائی کی دو قسمیں ہیں، محیط اور غیر محیط پھر محیط کی دو قسمیں ہیں، عام اور خاص، پس مغیبات کے جاننے کی کل چار قسمیں ہوں گی (۱) ذاتی (۲) عطائی محیط عام (۳) عطائی محیط خاص (۴) اور عطائی غیر محیط، نقشہ درج ذیل ہے



(۱) علم ذاتی، خاں زاد علم کو کہتے ہیں یعنی ایسا علم جو کسی کا تمام قسموں کی مختصر وضاحت

کسی ہستی کا عطا کیا ہوا ہو۔ (۲) علم عطائی، وہ علم ہے جو (۳) علم محیط عام، ازل سے ابد تک تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں۔ (۴) علم محیط خاص، ابتدائے آفرینش سے جنت و جہنم میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کے علم کلی کو کہتے ہیں، یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے، اس وقت سے لے کر جنتوں کے جنت میں اور دوزخوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کا ایسا تفصیلی علم کہ کائنات حاضرہ اور غائبہ کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رہے۔ (۵) اور علم غیر محیط، سے مراد صرف بعض مغیبات کا علم ہے، یعنی غیب کی صرف ان باتوں کا علم جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو وحی و الہام کے ذریعہ مطلع فرمایا ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد چاروں قسموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) علم ذاتی، جو قومیں اللہ کو تمام مخلوقات کا خالق اور سارے عالم اور پوری کائنات کو اس کی وہ خالق کی عطا کی ہوئی ہے، وہ سب یہ بھی تسلیم کرتی ہیں کہ کسی بھی مخلوق میں جو صفات صرف کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کو یہ صفات

اور یہ کمالات خدا ہی نے عطا کئے ہیں، یکوں کہ جن کا وجود ہی غائزاد نہیں ہے، بلکہ عطا کئے غیر ہے ان کے اوصاف و کمالات ذاتی اور غائزاد کیسے ہو سکتے ہیں؟

اسی بنا پر یہ حقیقت بالکل مسلم ہے کہ کسی بھی بندے اور بزرگ ہستی کو ایک ذرہ کا بھی ”ذاتی“ علم، حاصل نہیں ہے، لہذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی نبی یا ولی کو کسی بھی ذرہ کا ذاتی علم تھا یا ہے تو بالاتفاق مشرک ہے، مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ _____ ”علم ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے (خالص الاعتقاد ص ۲۲ بحوالہ بریلوی نقد کانیاروپ)

اس طرح تمام اسلامی فرقے اسکو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام غیوب کا علم **علم عطائی محیط عام** محیط الشرجل شانہ کے ساتھ خاص ہے، لہذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام معنیات کا علم محیط حاصل تھا، اور عالم غیب کی کوئی چیز جس طرح اللہ سے مخفی نہیں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور رسول اللہ کے علم غیب میں بس ”ذاتی“ اور ”عطائی“ کا فرق تھا، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی بلاشبہ مشرک اور کافر ہے، ملاحظہ فرمائیے ”موضوعات کیر“ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اٰمَنَ فَقَدْ سَوَّيَ عِلْمَ اللّٰهِ
وَرَسُولِهِ يَكْفُرُ اَجْمَاعًا كَمَا
يَعْنِي (ص ۱۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علم میں برابری کا عقیدہ رکھے اس کو بالاتفاق کافر قرار دیا جائے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور خاں صاحب بریلوی ”خالص الاعتقاد“ میں لکھتے ہیں کہ:

”علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیل یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں (ص ۲۲) پھر آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

”ہم نہ علم الہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطا کئے الہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع (خالص الاعتقاد ص ۲۲ بحوالہ بوارق الغیب اور بریلوی نقد کانیاروپ)

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس قسم کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی بھی نبی یا ولی کو اس قسم کا علم نہیں دیا گیا ہے، مگر رضا غانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کا علم ثابت کرتے ہیں، خال صاحب بریلوی کہتے ہیں :-

و حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام مَآکِن و مَآیَکُون الی یوم القیامۃ کا علم تھا اور ابتدائے آخر میں عالم سے لے کر جنت و نار کے داخل تک کا کوئی ذرہ حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں،، (انبار المصطفیٰ ص ۱۷۱ ملخصاً) یہی قسم اختلافی اور نزاعی ہے

اس قسم کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور پیغمبران عظام کو وحی کے ذریعہ غیب کی کچھ باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا، اس لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء کرام اور پیغمبران عظام کو اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعہ غیب کی جن باتوں سے آگاہ فرمایا ہے صرف انہی باتوں کو وہ جانتے ہیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

مَدْعِیَانِ عَلَمِ غِیْبِ كے دَلَائِلُ

پہلی دلیل: مفتی احمد یار خاں ”جاء الحق“ میں اپنے عقیدے کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں وَمَا كَانَ اللَّهُ بِمُطْلِعِكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُخَبِّرُكُمْ مِنْ رُسُلِهِمْ مَنْ يَشَاءُ اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم دے، ہاں اللہ چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے: خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے، لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے، پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے، اور بعض غیب کی ان کو

خبر دیتا ہے
تقدیر
کو خبر دار کر
اس

ہونا ہے
اور کل ما

جواب

کسی نبی کو
اپنے دعوے
اور بعض

دوسری

سورہ جن

اس

کے سر اسر

اس

کا علم بھی

جواب

قُلْ اِنْ

سُئِلْتُ

رَبِّيَ

فرماتا ہے، یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔

تفسیر خازن میں ہے، لیکن الشرحین لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، ان کو خبر دلا کرتا ہے بعض علم غیب پر۔

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ، "بعض غیب"، اس سے مراد علم الہی کے مقابلے میں بعض اور کلی امکان و یقین بھی خدا کے علم کا بعض ہے (جاء الحق ص ۵۹ و ص ۶۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو وحی و الہام کے ذریعہ غیب کی باتوں پر مطلع فرماتے ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت تک کے ذرہ ذرہ کا کسی نبی کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو۔ نیز مفسرین کرام کی جو عبارتیں خان صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں ان میں سے ایک سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، اور "بعض غیب"، کا صاف اور واضح مفہوم بعض جزئیات کا علم ہے نہ کہ اللہ کے علم کا بعض (حدید یا خاں و جاء الحق میں لکھتے ہیں)۔

دوسری دلیل فَلَا يَنْظُرُهُمْ عَلَى عَذِيبِهِ أَحَدٌ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (سورہ جن ۱۷) تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (دشمن اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیر عریزی، خازن اور روح البیان کی عبارتیں جو ان کے مدعا کے اسر خلاف ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا نے تدوین کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی (جاء الحق ص ۵۹)

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ
ثُمَّ لَنْ أَذِيبَهُمْ أَتْرُيبُ مَا
شَرُّهُمْ ذُنُوبُهُمْ مَيَّجَعَلُ لَكَ
رَبِّكَ أَسَدًا۔
آپ فرمادیکجیے کہ میں نہیں چاہتا کہ آیا تزدیکجیے
وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، یا میرے رب
اس کے لیے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔

مَا تَدْرِي عَنْهُ مِنْ سِرٍّ سے بعض مفسرین کے نزدیک ”عذاب“ اور بعض کے نزدیک ”قیامت“ مراد ہے، کچھ بھی ہو، کوئی چیز ماکان و مایکون میں سے ضرور ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اس حقیقت کو ظاہر فرمادیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے حضور اکرم ص کو سب غیب کی باتیں بتادی ہیں جن میں عذاب یا قیامت کا علم بھی داخل ہے، پس غیب سے کئی غیب مراد لینا انصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

احمد یار خاں لکھتے ہیں :-

تیسری دلیل

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (سورہ نساء آیت ۱۱۱) اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین) اسی مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتارا، اور حکمت اتاری، اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا، اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا، (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائی اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں سے وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں، اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا، اور منافقین کے کردار پر آپ کو بتا دیئے، (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے، اور چھپی ہوئی باتیں، دلوں کے راز بتائے

تفسیر حسینی ”بحر الرائق“ سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں: یہ ماکان و مایکون کا علم ہے، کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا، چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا، پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے (جامع البیان) یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتادیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی، کلمہ ”ما“، عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے، تو آیت

ہے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام، دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں نہ تھا سب ہی بتا دیا، اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں، اپنی طرف سے قید ہے، جو قرآن و حدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے (جبار الحق ص ۱۹ و ص ۲۵)

جواب اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ کلمہ ”ما“، عربی زبان میں عموم کیلئے ہوتا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، سید شریف جرجانی حنفی مفسر اور مآذیغہ اسماء موصولہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

بَلَّغْنَا الْمُصَوِّلَاتِ كَوْنُ مَوْضِعٍ ہم کہتے ہیں کہ اس موصولہ عموم کے لیے وضع نہیں
للعمرم بَلَّغْنَا لِلْجَنَسِ كَوْنُ مَوْضِعٍ لِّلْعُمُومِ کئے گئے، بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کیے گئے ہیں
وَالْعُصُومِ (شرح مواقف حاکم مطبوعہ ذیل کتب) جو عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

غلاہ انہیں اس استدلال پر درج ذیل خامیاں ہیں:

(۱) جلالین شریف میں اسی من الاحکام والغیب ہے خاں صاحب نے لفظ ”من“ کا ترجمہ چور دیا ہے، الغیب کا ترجمہ علم غیب کر دیا ہے حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بعض احکام اور غیب کی کچھ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے، کیوں کہ تمام احکام شریعہ اس آیت کے نزول کے وقت آپ کو نہیں سکھائے گئے تھے، بہت احکام اس کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

(۲) تفسیر حسینی، کمال الدین حسین واعظ کاشفی کی تفسیر ہے، جو ”الانوار السلی“ اور ”اخلاق عسائی“ کے مصنف ہیں، ان کی یہ تفسیر بالکل غیر معتبر ہے، اس لیے اس کی بات کسی کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، عقیدہ کے اثبات کے لیے دلیل قطعی چاہئے خود خاں صاحب لکھتے ہیں کہ ”جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) وہ آیت قطعی الدلالة ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو (جبار الحق ص ۲۵)

مدعیانِ عالمِ غیب کا احادیث سے استدلال

مہادی حدیث

حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ الْأَخِيرَةِ حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهِ مَنْ نَسِيَهِ (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن ص ۳۹)

دوسری حدیث

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْعِ الْعَلِيِّ حَتَّى خَلَّ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهِ مَنْ نَسِيَهِ (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن ص ۳۹)

تیسری حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَكُنْ غُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ الْأَذْكَرَ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهِ مَنْ نَسِيَهِ (مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ص ۴۳)

جو

فرا

کتف

شد

یا

پا

ان

ال

ال

ال

ال

ال

ال

چوتھی حدیث

علیہ وسلم نے فرمایا :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

پس میں نے اللہ علی شانہ کو دیکھا کہ اپنا دست قدرت
میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، حتیٰ کہ اس
کے آثار کی لذت اور شہدک میں نے اپنے سینہ میں محسوس
کی پس ہر چیز میرے لیے روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔

فَوَافَيْتُهُ عَرَّوَجَلٌ وَصَعَّ كَفَّهُ بَيْنَ
كَتِفَيْ فَوْجِدٍ تَبَرَّدَ أَمَّا مِلْهُ بَيْنَ
شَدِيكَيْ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ
(مشکوٰۃ شریف ص ۷۷)

پانچویں حدیث

نے فرمایا :

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمایا پس
میں دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہوئے والا
ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس
جھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

إِنَّ اللَّهَ رَفَعَ لِي الدُّنْيَا مَآثِنًا أَنْظُرُو
الْبَهَائِزَ إِلَى مَا هُوَ كَأَنَّ فِي يَمِينِهَا إِلَى يَوْمِ
الْفَيْصَةِ، كَأَمَّا أَنْظُرُو إِلَى كَيْفٍ هَذَا
(احمدیہ الادبیات ص ۱۱۲ لا بی نغیس)

ان احادیث کو نقل کر کے احمدیاریاں لکھتے ہیں کہ

”ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس
طرح ہے جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوی الشکر، تو عالم اجنا
عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش و فرش عرض کہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر
ہے، اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں، دوسرے یہ
معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں (جبار الحق ص ۷۷)

الزامی جواب

اس استدلال کا الزامی جواب ان کی بیان کردہ شرطوں کے مطابق تو یہ ہے کہ
مذکورہ حدیثوں میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں ہے لہذا ان احادیث کو دلیل
کے طور پر پیش کرنا فریب دہی کے سوا کیا ہے؟ کیوں کہ احمدیاریاں خود لکھتے ہیں کہ

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے
(۱) وہ آیت قطعی الدلائل ہو، جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر
(۲) عامات ص ۷۷

تحقیق جواب

اور تحقیق جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے پہلی تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک خطبہ میں قیامت تک ہونے والے بڑے بڑے واقعات اور فتنے اور قیامت کی نشانیاں بیان فرمائیں ان میں سے کچھ باتیں لوگوں کو یاد رکھیں اور کچھ بھول گئے، خود حضرت عذیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

وَاللّٰهُ مَا اَذْرِكُنَّ اَنْتَسِيْ اَصْحَابِيْ اَم
مَّا سَوَّاهُ وَاللّٰهُ مَا تَرَكْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدٍ
فِيْنَنِيْ اِلَى اَنْ تَنْفَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ
مِنْ مَّعَةٍ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَمَا مَدَّ
اِلَّا قَدْ سَخَا فَاَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ
اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهِ (رواۃ)

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آیا میرے ساتھی بھول گئے یا اپنے آپ کو بھولا ہوا ظاہر کرتے ہیں؟ قسم بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختتام دنیا تک کسی ایسے فتنہ انگیز کو نہیں چھوڑا جس کے جیلوں کی تعداد میں سو یا تین سو سے زائد ہوگی کہ آپ نے ہمارے سامنے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام نہ ذکر کیا ہو۔

(ابوداؤد) (مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوات ص ۴۳)

ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں جو باتیں بیان فرمائی تھیں وہ فتن اور علامات قیامت کے قبیل سے تھیں دنیا بھر کی چیزوں کا ذکر نہیں کیا تھا، کیوں کہ یہ عقلاً ممکن نہیں ہے

اور جو تحقیق حدیث میں کل مشیخی سے تمام چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ صرف احکام شرعیہ اور امور دینیہ مراد ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے، پوری حدیث تو بہت طویل ہے اس کا نقل کرنا تو طوالت سے خالی نہیں ہے اس لیے صرف مفید مطلب حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ نے دریافت فرمایا: مقررین بارگاہ عالی کن امور میں بحث و مباحثہ کر رہے ہیں، میں نے کہا مجھے علم نہیں

تین مرتبہ یہ سوال جواب دہرائے گئے۔ پھر میں نے اللہ جل شانہ کو دیکھا کہ اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھتی کہ اس کے آثار کی لذت اور شہدائے میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی پس ہر چیز میرے لیے روشن ہو گئی، اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: مقررین بارگاہِ عالیٰ کمن امور پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: (نازکے لیے) جماعتوں کی طرف تہم برہانا، نازکے بعد مسجدوں میں بیٹھنا، اور ناگوار یوں کے وقت اچھی طرح وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: پھر کمن امور میں (بحث کر رہے ہیں)، میں نے جواب دیا: جنت کے بلند درجات (تک پہنچانے والی چیزوں) کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب دیا: (بھوکوں کو) کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا، اور لوگ جب سوتے ہوئے ہوں نہاد بڑھنا (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷)

اللہ جل شانہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ ”مکمل شی“ سے مراد وہ امور دینیہ ہیں جن کے بارے میں مقررین بارگاہِ عالیٰ بحث کر رہے تھے نہ کہ دنیا بھر کی تمام چیزیں۔ اور صرف امور دینیہ مراد لیے اور علم کلی کی نفی کرنے میں کوئی تفتیش نہیں، جیسا کہ رضا خانیوں کا خیال ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ کی علمی سیادت و قیادت فریقین کے نزدیک مسلم ہے (تفہیمات الہیہ میں لکھتے ہیں:

شَوْبُ خُلُوعٍ اِنَّهُ يَجِبُ اِنْ يَنْتَعِزَّ عَنْهُ
صفات الواجب جل مجدلاً من
العلوم بالغیب والقدرۃ علی خلق
العالمات غیر ذلک وليس ذلک بتفتیش
(تفہیمات الہیہ ص ۷۷)

پھر جاننا چاہیے کہ واجب اور ضروری کی کج ہمت
انبیاء اکرام سے واجب بَلَّ تَجَدُّد کی صفات کی
نفی کی جائے، یعنی علم خبیث اور جہاں کے پیدا
کرنے پر قدرت و فیض کی نفی اور اس میں کوئی
تفتیش نہیں ہے۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ:
وَاِنْ اسْتَدَلَّ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد

فَعَلَّی لِي كُلُّ شَيْءٍ سَے استدلال کیا جائے تو ہم کہہ
دیں گے کہ حضور کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ
قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے تَعْلِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور اصل عموماً میں مقام کے مناسب تخصیص
کرتا ہے۔

وَالسَّلَامُ مَبْنِيٌّ لِّكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا هُوَ
بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى فِي التَّوْرَةِ تَعْلِيْلًا
فَلِكُلِّ شَيْءٍ، وَالْأَمَلُ فِي الْعُمُومَاتِ
التَّخْصِصُ بِمَا يَنْسَبُ الْمَقَامُ
(حوالہ سابق صفحہ ۶)

اور پانچویں روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان رہا وہی
ہے جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے، علامہ نور الدین علی بن ابی بکر ہمشمی نے ”مجمع الزوائد“
میں حضرت عمرؓ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

رواية الطبرانی در جلد ۱۰ وَتَقْوَاهُ ضَعِيفٌ
کثیر بنی سعید بن سنان راہوی
(مجمع الزوائد ۲/۸۸)

اور حافظ علی متقی حنفی نے ”کنز العمال“ میں حضرت ابن عمرؓ سے اس روایت
کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ”وَسَنَدٌ ضَعِيفٌ“ اس کی سند ضعیف ہے،
(کنز العمال ۹۵ جلد ششم)

الحاصل یہ روایت نہایت ضعیف ہے، اور ضعیف روایت کی حضورؐ کی طرف
نسبت کرنا، پھر اس سے لفظ قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا ہرگز جائز نہیں، خود خان
صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ

حدیث ماننے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت
چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں۔ (عرفان شریعت صفحہ ۲۷ ج ۳)

اہل سنت کا عقیدہ اور دلائل

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور پیغمبرانِ مضاف
کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، مگر کائنات کے

ذره ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ کو تمام ملکاتِ حاضرہ اور غائبہ کا علم عطا کیا گیا ہے، اور یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام ماکان و مایکون النیوم القیامۃ کا علم حاصل تھا، اور ابتدائے آفرینش سے لے کر حجت و ناز کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہیں، نیز قرآن پاک میں تمام مخلوقات سے عموماً اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس لیے کسی نبی یا ولی کے لیے علم غیب ثابت کرنا لغو و قطع کے خلاف ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

مَنْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ، وَمَا
يَشْعُرُونَ أَيَّاتٍ يُبْعَثُونَ۔

(سورہ فصل آیت ۳۱)

آپ فرمادیجیے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور اسی درجہ سے ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے

نیز ارشاد خداوندی ہے :-

مَنْ لَا يَقُولُ لَكُمْ عِبْدِي خَزَائِنُ
الْغَيْبِ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ، وَلَا أَقُولُ
لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ۔

(سورہ انعام آیت ۱۰)

آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

مَنْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ
الْغَيْبِ لَا سُبْحَنُ مِنَ الْحَيْرِ
وَمَا أَسْتَشِرُ السُّوءَ۔

آپ فرمادیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں نہ بُرے کا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائی حاصل کر لیتا اور مجھ کو ہرانی کبھی نہ پہنچتی

(سورہ اعراف آیت ۱۸)

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَنْ تَوَلَّى
الْغَيْبُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْآرْحَامِ وَمَنْ تَدْرِكِ
نَفْسٌ مِمَّا دَخَلَتْ فَذَا، وَمَنْ تَدْرِكِ
نَفْسٌ مِمَّا كَانَتْ أََرْضٍ يَمْرُوقُ، إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ خَبِيرٌ (آیت ۳۱)
نیز ارشاد خداوند کی ہے:

وَمِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا
هُوَ (سورۃ انعام آیہ ۵۹)

الشرعی کے پاس ہیں مخفی چیزوں کے خزانے ان (۱)
اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کا کلی علم مخلوقات میں سے کسی کو حتیٰ کہ حضور اکرم (۲)
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمایا، لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کا علم
محیط ثابت ماننا اور آپ کو عالم الغیب جاننا ان آیتوں کے سراسر خلاف ہے۔

بعض جاہل اور نادان واقف لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دو عالم
ایک شبہ اور اس کا جواب الغیب،، نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی (۳)
چیز مخفی نہیں تو وہ "عالم الغیب" کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہذا معلوم ہوا کہ عالم الغیب،، مخلوق ہی کی
صفت ہو سکتی ہے، نہ کہ خالق کائنات کی،

اس کا جواب یہ ہے کہ "غیب" اس چیز کو نہیں کہا جاتا جو خدا تعالیٰ سے مخفی ہو، بلکہ
غیب اس کو کہتے ہیں جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو، علامہ سید محمود آلوسی حنفی اپنی بے نظیر تفسیر
میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

وَكُوفُ ذَلِكَ غَيْبًا بِاعْتِبَارِهِ عَنِ النَّاسِ
وَنَحْوِ هَذَا بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ لَا يَغِيبُ
عَنْهُ شَيْءٌ، وَلَكِنْ لَا يَجُوزُ أَنْ يَقَالَ
أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ قَصْدًا ۱۱ أَلَى
أَنَّهُ لَا غَيْبَ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ
(روح البغی ص ۲۰)

اور اس کا غیب ہونا انسانوں اور ایسی ہی (۴)
مخلوقات کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اللہ جل شانہ
کے اعتبار سے، اس لیے کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی
نہیں ہے، لیکن اس وجہ سے کہ اللہ سے کوئی چیز
پوشیدہ نہیں ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب
نہیں جانتے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے :

عالم الغیب (ما یغیب عن الناس)
والشہادۃ ما یشاہد وہ ،
(ص ۱۹ ج ۲)

عالم الغیب والشہادۃ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے
جو چیزیں پوشیدہ ہیں ، اور لوگ جن چیزوں کا مشاہدہ
کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ۔

رضاخانی تاویلات

اہل حق علم غیب کئی کی نفی پر جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں مدعیانِ
علم غیب ان میں چار تاویلیں کرتے ہیں ۔

(۱) ان آیتوں میں غیر اللہ سے عموماً اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً صرف علم ذاتی
کی نفی کی گئی ہے ، نہ کہ علم عطائی کی

(۲) ان آیتوں میں غیر اللہ سے صرف ”علم محیط عام“ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ ”علم محیط خاص“ کی یعنی
ماکان و مایکون الی یوم القیامۃ کی نفی نہیں کی گئی ہے ،

(۳) ان آیتوں کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم دیدئے گئے تھے ، گویا میرے
آیات منسوخ ہیں ۔

(۴) جن آیات میں قیامت وغیرہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا گیا ہے ان سے یہ ثابت نہیں
ہوتا کہ کسی دوسرے کو ان کا علم نہیں ، بلکہ ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے ، دوسرے
کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے یہ آیات ساکت ہیں ۔

مدعیان علم غیب ان آیتوں کی یہ تاویلات اس لیے کرتے ہیں کہ بعض روایتوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ سورۃ لقمان کی آیت میں مذکور وہ پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا ، اور آپ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی تھی چنانچہ ایک حدیث
میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کے واقعات بیان کرتے
ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

شَهِدَ رَسُولُ اللَّهِ مُطَرًّا لَا يَكُنُّ
مِنْهُ بَيْتٌ مَدْرُودٌ وَلَا ذَبِيرٌ ۔
(رواہ مسلم و مشکوٰۃ ص ۳۳)

پھر یعنی یا جوج ، ماجوج کے فتنے کے بعد ، اللہ تعالیٰ
ایک عالم گیر بارش برسا میں گے جس سے شہر یا
گاؤں کا کوئی گھر بچ نہ سکے گا ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے قریب ہونے والی بارش کی اطلاع سیکڑوں برس پہلے ہو گئی تھی

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب حالتِ حل میں تھے تو حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا گیا ہے اس خواب سے ان کو بہت زیادہ تشویش ہوئی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

رَأَيْتُ حَسِينَ، تَلِدُ قَاتِلَةً أَنْ سَاءَ اللَّهُ عِلْدًا
تو نے اچھا خواب دیکھا، ان شاعرِ شیریں کی نعتِ مگر
يَكُونُ فِي جَعْرِكَ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے اور غزوہ خیبر کے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

لَا أُعْطِيَنَّ هَذِهِ الرَّأْيَةَ عِنْدَ رَجُلٍ يَنْفَعُ
میں کسی یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے
اللَّهُ صُلَى يَدِيهِ (مشکوٰۃ ص ۵۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ آئندہ میں ہونے والی بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونے والے واقعات کا علم تھا۔

اور غزوہ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک روز پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنادیدِ کفار کی قتل گاہیں بتلا دی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو بعض لوگوں کے مقامِ موت کا بھی علم تھا، اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقامِ وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔

الغرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ پیش آنے والے واقعات، نزولِ باران، مافی الارحام، اور مقامِ موت کا علم تھا، چنانچہ مولوی احمد رضا خاں

بریل اور مولوی نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے متبعین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف مذکورہ چاروں باتوں اور قیامت کو بھی محیط ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ تاویلات نہ کی جائیں تو آیات اور روایات میں ایسا تقارض ہوگا جو کسی طرح اٹھ نہ سکے گا۔ اس کا جواب مولوی احمد رضا خاں کے طرز پر تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا تقارض اخبارِ جواب آحاد سے نہیں ہو سکتا، خود خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ ”انباء المصطفیٰ“ کے صفحہ چار پر علم غیب ہی کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

”عدم آیات قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ آحاد سے استناد محض ہرزہ بانی (ہے) اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات اور احادیث میں کوئی تقارض نہیں ہے، اس لیے کہ سورۃ لقمان کی آیت میں امورِ خمسہ کے علم کلی کی نفی کی گئی ہے کہ قیامت، نزولِ باران، اور مافی الارحام وغیرہ کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور احادیث و روایات سے امورِ خمسہ کی صرف بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے، علم کلی کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا، حضرت ملا علی قاری حدیث جبرئیل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ أَخْبَرُوا النَّبِيَّ عَوَّلًا لَا يَكْفِيكَ
بَشِيرٍ كَثِيرٍ مِنْ ذَلِكَ فَكَيْفَ
الْحَمْرُ قُلْتَ الْحَمْرُ مَا عُدَّار
كَلِيَاتَهَا، وَدَنْ جَزْئِيَّاتَهَا -
(مرقات صفحہ ۱)

اور ان تاویلات کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النہل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَصَاعَلْنَاكَ الشَّعْرَ (ہم نے آپ کو شعر کا علم نہیں عطا کیا) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو شعر کا علم نہ ذاتی طور پر عطا تھا، نہ عطائی طریقہ پر، پس پہلی تاویل لغو ہو گئی۔ اور دوسری تاویل کی تردید بھی اسی آیت سے ہوتی ہے، کیوں کہ ”شعر“ بھی ماکان و مایکون میں سے ہے لہذا معلوم ہوا کہ ماکان و مایکون میں سے کوئی چیز ضرور ایسی ہے جس کا علم آپ کو نہیں عطا کیا گیا تھا، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت نہ کرنا

نصوص قطعہ کے خلاف ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَمَا يَنْبَغِي لَكَ دُورٌ شَعْرًا كَمَا عَلَّمَكَ رَبُّكَ شَانَكَ
مناسب نہیں، اس سے تیسری تاویل کی تردید ہوتی ہے، کیوں کہ جو چیز حضور اکرم ص کی شان کے
مناسب نہیں اسکو بعد میں عطا فرمانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور سورہ النعام میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَعِنْدَ مَا يَنْبَغِي الْعَذَابُ لَكَ يَعْلَمُكَ
الْكَصُورُ (النشر) کے پاس میں غیب کی کجیاں یا حضراتے، ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،
اس آیت سے چوتھی تاویل کی تردید ہوتی ہے کیوں کہ اس آیت میں غیر الشر سے علم غیب کی مَرَّ
لفظ کی گئی ہے، اس طرح قُلْ لَا يَخْلُكُم مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْعَذَابُ الْكَ
اللہ سے بھی غیر الشر سے علم غیب کی لفظ ہوتی ہے، لہذا یہ کہنا کہ دوسروں کو اس کا علم ہے
یا نہیں اس سے آیات ساکت ہیں بالکل لغو تاویل ہے

ملا علی قاری کا مسلک مدعیان علم غیب حضرت ملا علی قاری حنفی کی مجمل و مبہم اور احمول
عبارتوں کو پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اس لیے ذیل میں
ملا علی قاری رحمہ اللہ کی چند واضح اور صریح عبارتیں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ آپ جان لیں کہ مسئلہ
علم غیب میں ملا علی قاری کا مسلک وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(۱) ملا علی قاری حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ کی روایت جو مشکوٰۃ باب المساجد
پر ہے اس کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :-

(فعلمت) ای بسبب وصول ذالک
الغیض (مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)
یعنی مَا اَخْلَصَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَخَافًا
فِيْهِمَا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْاَشْجَارِ
وغيرِ هَٰذَا، وبقی عبارت عن سعة
علمہ الذی فتح اللّٰہ بہ
علیہ۔
۱۰ مقام میں منہج فیہ ، اور مامور ہے

(پس جان لی میں نے) یعنی اس فیض کے پہنچنے کی
وجہ سے (وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں
یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائیں ،
آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کچھ
فرشتوں اور درختوں وغیرہ میں سے ، اور آپ نے
اس ارشاد میں اپنے اس علم کی وسعت کو واضح فرمایا
ہے جو اللہ نے آپ پر کھولا ہے۔

وقال ابن حجر: اى جميع الكائنات
التي فى السموات بل وما فوقها
كما يستفاد من قصة المعراج
والارض بمعنى الجنس
اى جميع ما فى الارضين
السبع بل وما تحتها - كما افاد
افشاره عليه السلام عن الثور والعرب
اللذين عليهما الارضون كلهما،
ويمكن ان يراد بالسموات
الجهة العليا، وبالارض الجهة
السفلى فيشمل الجميع،
لكن لا بد من التقييد الذى
ذكرناه، اذ لا يصح اطلاق
الجميع، كما اصر الظاهر
(مرفقات ص ۲۰)

اور ابن حجر نے کہا کہ وہ ساری کائنات جو آسمان
میں ہے، بلکہ آسمان سے بھی اوپر ہے جیسا کہ معراج
کے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے، اور دار الارض سے
جنس ارض مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمام
وہ چیزیں جو ساتوں زمینوں میں ہے، بلکہ ان سے
بھی نیچے ہیں جیسا کہ آپ کے اس بل اور جبل
کے بارے میں خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے
جن پر سب زمینیں قائم ہیں۔
اور ممکن ہے سادات سے مراد اوپر کی جہت
ہو، اور ارض سے مراد نیچے کی جہت ہو، پس ارشاد
نبوی مافی السموات والارض تمام چیزوں کو شامل
ہو گا۔ لیکن وہ قید لگا فی ضروری ہے جو ہم نے ذکر کی
ہے، (یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں ان
میں سے کچھ جو اللہ نے آپ کو بتائیں، کیوں کہ جمیع کو مطلق
رکھنا صحیح نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرت ملا علی قاری کے اس استدراک سے معلوم ہوا کہ ابن حجر کی کلام میں اور خود ملا
علی قاری کے کلام میں جو لفظ "جمیع" آیا ہے، اس سے علی الاطلاق کائنات کی تمام چیزیں مراد
نہیں، بلکہ وہی چیزیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی دہا ہا کے ذریعہ بتائیں، کیوں کہ من
تبیینہ کا مفاد یہی ہے۔ اور یہی مطلب ہے دیگر اکابر کی ان عبارتوں کا جہتیں
لفظ جمیع یا "ماکان وما یكون"، کے الفاظ مذکور ہیں، رضا خانی ماکان وما یكون کے جو معنی بیان
کرتے ہیں وہ ہرگز مراد نہیں۔

(۲) ملا علی قاری کی شرح شفا اور شرح فقہ اکبر میں ارقام فرماتے ہیں:-

والحاصل انّ الانبياء كثر نِعَمًا خلاصہ بحث یہ ہے کہ انبیاء کرام غیب کی صرف

المغیبات من الاشیاء الا ما
اعلمهم الله تعالی اعیاناً۔
وقد صرح علماً ونسناً
الحنفیة بتکفیر من اعتقد ان
النبی صلی الله علیه وسلم
یعلم الغیب لمعارضه قوله
تعالی: قل لا یعلم من فی السموات
والارض الغیب الا الله، کذا
فی المسامرة للإمام ابن ممام
(شرح شفاء ^{بیم}، شرح فقه ^{کبیر})
(۳) حضرت لاطی قاری الموضوعات الکبریٰ میں رضا خانیوں کے عقیدے جیسے عقیدہ کی
کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:-

ولما جری لایم المومنین عاشة رضی الله عنہا ما جری ورماء
اصل الافک لو یکن یعلم حقيقة الامر حی جاء الوحي من الله تعالی
ببرائتهم عند هؤلاء الغلاة انه علیه السلام کان یعلم الحال
وانه غیر ما بلاریب، واستشار الناس فی فراقها ردعا ریعاً
فسألهم اوهو یعلم الحال، وقال لها: ان کنت الممت بذنب
فاستغفری الله وهو یعلم علماً یقیناً انہا لم تکر بذنب
ولاریب ان الحال لہو لاء علی هذا الغلو اعتقاد هو ان
یکفر عنہم سیئاتہم ویدخلہم الجنة، وکلما غلوا کانوا
اقرب الیہ واخص به، فہو اعصی الناس لامرلاً واشد ما
مخالفة لیستہم، وهو لاء فیہم شبه ظاہر من النصاری غلوا
علی المسیح اعظم الغلو، وخالفوا شرعہ ودینہ اعظم المغلو

انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو
ما ہے بتائی ہیں۔
اور ہمارے علماء احناف نے مراجع ذکر
کر یہ عقیدہ رکھنے والا کہ نبی کویم صلی اللہ علیہ
غیب جانتے ہیں کا فریب، اس لیے کہ یہ عقیدہ
کے ارشاد قل لا یعلم من
فی السموات والارض
الغیب الا الله
_____ کے معارض اور مخالف ہے، امام ابن
ہمام کی کتاب مسامرة میں ایسا ہی ہے۔

وَالْمَقْصُودُ أَنَّ هَؤُلَاءِ يُصَدِّقُونَ بِالْأَحَادِيثِ الْمَكْذُوبَةِ الْمَرْبُوعَةِ
وَيُحَرِّفُونَ الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ، وَاللَّهُ دُونَهُ، فَيَقْيِئُ مَنْ
يَقُومُ لَهُ بِعَقْلِ النَّصِيحَةِ (الموضوعات الكبرى ص ۱۷۱)

ترجمہ : جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اور افترا پر دازوں نے حرم نبوی پر بھاری پتھان باندھا، تو آپ کو معاملہ کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا جب تک حضرت صدیقہ کی برادرت کے سلسلہ میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آئی، مگر ان غلو پسندوں کے نزدیک آپ پوری حالت کو جانتے تھے، اور بلاشبہ یہ بھی جانتے تھے کہ معاملہ کی حقیقت برعکس ہے، _____ آپ نے لوگوں سے حضرت عائشہؓ کو نکاح سے الگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا، اور ریماء کو بلا کر اس سے معاملہ کی حقیقت دریافت فرمائی، حالانکہ آپ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتے تھے _____ اور آپ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو، حالانکہ آپ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ صدیقہ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اس غلو کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ ان کے گناہوں کو مٹا دیں گے، اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور جتنا غلو کریں گے اتنا ہی حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا، اور آپ سے تعلق پیدا ہوگا، پس یہ لوگ حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی سب سے زیادہ نافرمانی کرنے والے ہیں، اور آپ کی سنت کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں، ان میں نصاریٰ کی واضح مشابہت پائی جاتی ہے، جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں انتہائی غلو کیا، اور ان کے دین و شریعت کی سب سے بڑھ کر مخالفت کی اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ صریح جھوٹی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور صحیح حدیثوں میں تحریف کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسے حضرات کو کھڑے کرتے ہیں گے جو خیر خواہی کا پورا حق ادا کریں گے۔

حَاضِر و نَاظِر کا مَسْئَلہ

حاضر اور ناظر دونوں عربی لفظ ہیں، حاضر کے معنی ہیں، موجود، اور ناظر کے معنی ہیں، دیکھنے والا، مگر جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ:

”ایسی ہستی جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں، بلکہ اس کا وجود بیک وقت ساری کائنات کو محیط ہے، اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں،“

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ”حاضر و ناظر“ کا مذکورہ بالا مفہوم صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک پر صادق آتا ہے، اور حاضر و

ناظر ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کو کسی دوسرے ہستی کے لیے ثابت کرنا غلط ہے حتیٰ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ، ”آپؐ ہر جگہ موجود ہیں، اور کائنات کی ایک ایک چیز آپؐ کی نظر میں ہے،“ نہ شرعاً درست ہے نہ عقل کی روش سے صحیح ہے۔

لیکن رضا خانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ بزرگانِ دین بھی تمام کائنات کو کف دست کی طرح دیکھتے ہیں، اور

دور و نزدیک کی آوازیں سنتے ہیں، اور ایک آن میں تمام عالم کی سر کرتے ہیں، اور صد ہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، احمدیہ یا خاں یمنی لکھتے ہیں کہ

عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے، اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سر کرے اور صد ہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتارِ خواہ صرف روحانی ہو، یا جسم مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنی کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیے قرآن و احادیث و اقوالِ علماء سے ہے (جہاں الحق ص ۱۳۱)

رضا خانوں کے دلائل | احمدیہ یا خاں یمنی اپنے عقیدہ کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَذَاعِيَ إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ عَنِ غَيْبِ الْخَرَبَاتِ وَالْ

بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنا تا اور الشریک طرف اس کے حکم سے جانا اور حکم دینے والا آفتاب ۔

شاید کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے حضور علیہ السلام کو شاید یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی کچھ کر گواہی دے رہے ہیں، ورنہ تو سارے انبیاء گواہ تھے، یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی صفیں گواہی دیں گے، یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپ کا مبشر و نذیر اور داعی الی الشر ہونا ہے، کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر، اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی، سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں، وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے، مگر گھر میں موجود، آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں، اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے (جاء الحق ص ۱۳۲)

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اس صاحب کو اس روشن حقیقت کا بھی علم نہیں کہ آفتاب ہر جگہ جہاں نہیں ہوتا، بلکہ جہاں دن ہوتا ہے وہیں آفتاب ہوتا ہے۔ اور جہاں رات ہوتی ہے وہاں آفتاب نہیں ہوتا، لہذا اس سے آپ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک وجود میں آنے والی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے، کیوں کہ نبی کو غیب کی صرف انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو وحی و الہام کے ذریعہ اللہ نے بتا دی ہیں، باقی کو وہ نہ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔

اور شاید کے معنی حاضر و ناظر نہیں ہیں بلکہ رو شاید، کے معنی ہیں قطعی اور یقینی خبر دینے والا، کیوں کہ ”شہد“ شہد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور شہد کے لغت میں کسی معنی بیان کیے گئے ہیں، مُجَدِّد میں ہے :-

شَهِدَ الْمَلِیْسُ کے معنی ہیں حاضر ہونا،
اور شَهِدَ الشَّيْءُ کے معنی ہیں دیکھنا، باخبر ہونا،
اور شَهِدَ الْجَمْعَ کے معنی ہیں جمع کو پانا،
شَهِدَ شَهِدُ شَرْعُودًا الْمَجْلِسِ
حَضَرًا الشَّيْءُ أَمَّا يَسْنُو
الْمَلِیْسُ عَلَيْهِ الْجَمْعَةَ

اَدْرَكَهَا — عَلَى كَذَا: اَخْبَرَ
 به خبر اقا طعاً، فهو مشاهد
 ان میں سے صرف آخری معنی ہی حضور کی شان کے مناسب ہیں، کیوں کہ یہاں نہ کسی مجلس کا ذکر ہے، نہ بعد کا تذکرہ ہے، نہ کسی دیکھے جانے والی چیز کا بیان ہے بلکہ بشیر و نذیر اور داعی الی الخ کا وصف خاص بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ کو قطعی اور یقینی خبر دیتے والا بنا کر بھیجا ہے، لہذا آپ کی بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

دوسری دلیل | احمدیہ خاں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے :-

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ اَمَةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا اَشْهَادًا عَلَى النَّاسِ وَتَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا - اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

اس آیت میں ایک واقعہ کے حرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی تہا عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے، انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے، اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہو گا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا، تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جائے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے، ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی، دوسرے یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں، بس مقدمہ ختم، انبیاء کرام کے حق میں ڈگری، اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہیں فرمایا تھا، تو آپ کی گواہی پر حرج کیوں نہ ہوئی، جیسی کہ امت کی گواہی پر حرج ہوئی تھی، معلوم ہو کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی، اور پہلی سنی ہوئی، اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔

(جالبقی ۱۳۳)

جواب

اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ گواہی اسی چیز کے بارے میں دی جا سکتی

ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو، بلکہ اس غلط فہمی پر ان کے عقیدہ کا مدار ہے اس لیے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دینے کے لیے اس کا دیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ معذور سے کسی بات کا پتہ چل جائے تب بھی اس کے بارے میں گواہی دی جاسکتی ہے، مثلاً ہم بڑے یقین کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں، حالانکہ ہم میں سے کسی نے نہ اللہ کو دیکھا ہے، نہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

رضا خانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر زیادہ

احادیث سے استدلال | تردیدیں حدیثیں پیش کرتے ہیں جو علم غیب کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں، کیوں کہ حاضر و ناظر صرف وہی ہستی ہو سکتی ہے جو عالم الغیب ہو، ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جن سے حضور کا حاضر و ناظر ہونا پر گزشتہ ثابت نہیں ہوتا، نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، احمد یار خاں دو جہار الحق میں لکھتے ہیں کہ

مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں، فرمایا فانی ارضی الفتن تقع خلائی بیوتکس کو وقع المطر، میں تمہارے گھروں میں بارش کے طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں، معلوم ہوا کہ یزیدی اور حجاجی فتنے جو عرصے کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے،

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق میں آنندہ کے واقعات اور دور و قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماتی ہیں، حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدا کے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے (جہار الحق ص ۱۴)

اس قسم کے واقعات کی حقیقت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب سمجھایا ہے کہ

جواب | کس نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ سیکڑوں میل دور مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی بو تو آپ نے سونگھ لی، مگر جب بھائیوں نے ان کو کنعان کے قریب ہی ایک کنویں میں ڈالا تھا آپ ان کو نہیں دیکھ سکے، حضرت یعقوب

جسٹس
قطعی اور یقینی خبر

سیاں نہ کسی مجلس
نذر اور داعی الی اللہ
لا بنا کر بھیجا ہے، ہلا

مہربانی کی دوسری

تساویس و یکوون
توں میں افضل کیا

مگر انبیاء کرام کی امتی
بار کرام عرض کریں گے
سلام کو پیش کریں گے
کسے گواہی دے رہے
سلام کی گواہی دی

یہ کہ میری امت
اور علیہ السلام نے
لاحظہ نہیں فرمایا تھا،
معتقی، معلوم ہوا کہ یہ
جہان ثابت ہوا۔

(۱)
بارے میں دی جاسکتی

نے جواب دیا کہ ہمارے احوال آسان پر چلنے والی بجلی کی طرح ہیں، جو ایک دم ظاہر ہو کر فوراً پوشیدہ ہو جاتی ہے، (یعنی جب خداوند قدوس کی مہربانی کا فیضان ہوتا ہے تو ہم دور تک دیکھ لیتے ہیں، مگر یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی، کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتی ہے)، کبھی ہم بلند امار کی پر بیٹھے ہوئے ہیں، تو کبھی ہم اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔

بچے پر سید ازاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مضرش یوئے پیراہن شمشیدی
چرا در چاہ کفناشن نہ دیدی
بلغت احوال ما برقی نہان ست
دم پیدا دیگر دم نہان ست
گئے بر طارم اصلی نشینم ...
گئے بر پشت پائے خود نہ بینم
(گلستان باب دوم ص ۳۳)

اہل حق کے دلائل و براہین

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، حتیٰ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات و حالات سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

(۱) وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْغُرِيِّ إِذْ قَضَيْنَا
آپ (کوہ طور کی) غریبی جانب میں نہ تھے جب کہ ہم
إِلَىٰ مُوسَىٰ الْأَمْرَ وَمَا كُنْتُ مِنَ الشَّاهِدِينَ
نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا، اور نہ
(سورہ قصص آیت ۷۵)
آپ شاہدہ فرمانے والے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوہ طور کی غریبی جانب جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی آپ نہ حاضر تھے نہ ناظر۔ اس طرح سورہ قمر جو نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

(۲) وَمِمَّنْ خَلَقْنَا الْأَنْعَامَ مَنْفَعُونَ
وَمِنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَةِ مَزْدَوَالِي النِّفَاقِ
لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ آیت ۱۰)

اور کچھ تمہارے گرد و پیش کے گنوار اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق پر اترے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اے آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے تفصیلی قصے سے باخبر

رہنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ

۱۱ ذَا لَکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ

سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اور آپ ان برادران

۱۲ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمَا ذٰ

یوسف کے پاس موجود تھے، جب انہوں نے

۱۳ اَجْعَلِ لَّہُمْ اٰمْرًا مِّنْ اَمْرِہُمْ وَ لَقَدْ کُنْتَ مِّنْکُمْ وَّحٰدٌ

اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا، اور وہ تدبیر کر رہے تھے

(سورہ یوسف آیت ۱۱)

اس طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات سے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

۱۴ ذَا لَکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ

یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں جو وحی

۱۵ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمَا

کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، آپ ان

۱۶ اِذْ یُنْقَضُوْنَ اَفْلاٰکُہُمْ وَاِیْنُہُمْ

تھوں کو رہائی میں اس غرض سے ڈال رہے تھے

۱۷ یُکْفَلُ مَرْبِعًا وَ مَا کُنْتَ

کہ ان میں سے کوئی مریم کی کفالت کرے، اور

۱۸ لَدَیْہِمَا اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ

نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب

(ال عمران آیت ۱۷)

وہ جھگڑ رہے تھے۔

غور کیجیے! ان آیات میں واقعات مذکورہ کے مواقع پر موجود نہ ہونے کی نفی کتنی وضاحت

کے ساتھ کی جا رہی ہے؟!

لیکن احمدا یار خاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ:

تاویل باطل

ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے، ان میں یہ کہاں

ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے، اس جسد صغریٰ سے وہاں نہ ہونا اور ہے

اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور (جار الحی ۱۵۷)

یہ تاویل بالکل لغو ہے، کیوں کہ پہلی آیت میں مراۃ موجود ہے کہ وَمَا کُنْتَ

(اور آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے)، اسی طرح تیسری اور چوتھی آیت میں

مگر دیکھ لیتے ہیں،

ہوئے ہیں، تو کبھی

رومند

نہ دیکھ

نہ س

نہ بیسن

دوم ص ۱۵۷

بین

میں، جس کی حضور پاک

م کو حضرت موسیٰ علیہ السلام

مانیں نہ تھے جب کہ ہم

پس حکم بجا، اور نہ

تھے۔

علیہ السلام کو نبوت ملی

سے آخری سورت ہے

کے گنوار اور کچھ حدیث

حق ہیں جو غفاق پر آئے

جاننے ہم ان کو جانتے ہیں

جان حبیب الرحمن، میں لکھتے ہیں۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اللہ کے بندے اور اس کے محبوب، ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی، مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوا انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا حرام ہے، اور اگر بہ نیت توہین کیا تو کھنے والا کافر ہے۔ (ص ۱۲۵)

اور رضا خانیوں کے شیخ الاسلام سید محمد فی کچھوچھوی فضیلت رسول پر تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ہم پر افرا اور بیتان رکھا جاتا ہے کہ ہم نبی کو انسان نہیں مانتے ہم نبی کو بشر نہیں مانتے، تو میں پورے دعوے کے ساتھ اطمینان و ايقان کی منزل سے ہٹتا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے، نبی کو جو بشر نہ مانے، انسان نہ مانے، وہ کافر ہے، اب اس سے زیادہ کون سی بات کہی جاسکتی ہے، سوال یہ نہیں کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں، سوال تو اس وقت اٹھتا ہے جب تم کہتے ہو ہمارے جیسے ہیں۔ (خطبات برطانیہ ص ۱۲۵ مطبوعہ مکتبہ نورا امارہ، الہ آباد)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر پھر بھی نور و بشر کا مسئلہ اس لیے پیدا ہوا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ ذِكْرٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ لِنُاسٍ مِّنَ الشَّيْخِ رِضْوَانَهُ سَبُلَ السَّلَامِ

یہاں نور سے مراد قرآن پاک ہے، اور عطف تفسیری ہے، یعنی تمہارے پاس روشن اور واضح کتاب آئی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ مِیْہِدِی بِہِ اللہ میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے، اگر نور، اور کتاب میں سے دو الگ الگ چیزیں مراد ہوتیں تو واحد کی ضمیر لانا صحیح نہ ہوتا، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح اِنَّا اَنْزَلْنَا السُّورَةَ فِیْہَا هُدًی وَکُرْہًا (ما سجدہ آیہ ۱) اور رَاٰیْنٰہُ الْاِلٰہَ حَبِیْلٌ فِیْہِہُ هُدًی وَکُرْہًا (ما سجدہ آیہ ۱) میں تورات اور انجیل کو نور، کہا گیا ہے، اسی طرح یہاں قرآن پاک کو نور، کہا گیا ہے۔

مگر رضا خانی نور، سے حضور اکرم کی ذاتِ قدسیہ مراد لیتے ہیں، اور اس بات کو اتنا بڑھاتے ہیں، اور اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بہت سے جاہل عوام یہ سمجھتے ہیں کہ حضور نور ہیں، بشر نہیں، حالانکہ آپ نے خود رضا خانی علماء کی زبانی سن لیا کہ جو حضور کو

بشر فرمایا، بلکہ ہم نے قوم کا قصیدان
بِشَہَادَاتِکُمْ وَنَا
لِنَشْفَعِیْہِمْ
کو تاتے ہیں، اس
انجام ہے۔

علیہ وسلم اگرچہ اپنی
یا نہیں ہے، حضرت
تفسیر میں لکھتے ہیں
ت کے اعتبار سے
انسانی کے سرور ہیں
میں، صلی اللہ علیہ وسلم
ریف ص ۱۲۵ میں
مان اور آدمی ہونا
یت و شک ملا کہ
پ صفت ہوتا
میں انسانیت
ہے گی، لہذا
بشر کو دو حوالوں
استقیم ص ۱۲۵
اور انسان ہیں
احسان

بشر زمانے وہ کا فر ہے ۔

نیز رضا خانی حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور اکابر علماء دیوبند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ خالص ہتھان اور مرتع جھوٹ ہے، نہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ ہے نہ حضرت شہید رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہید اور علمائے دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں لیکن اوصاف و کمالات میں آپ کا کوئی ثانی اور مثل نہیں اور خداوند قدوس کے بعد سب سے افضل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں خود حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ تقویۃ الایمان، میں فرماتے ہیں کہ

”سب انبیاء اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور لوگوں نے انہیں کے بڑے بڑے معجزے دیکھے، انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی،، (تقویۃ الایمان ص ۵۵)

يَا رَبِّ مَلِّ وَسَلِّمْ كَاثِمًا اَبَدًا ۝ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرُ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

محمد امین پالپوری

کتبہ: سہیل احمد اریاوی

باب ۱۵

چوتھا محاضرہ علمیہ

بر موضوع



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالپوری

استاذِ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳	توحید کی تعریف	۱
۳	شرک کی تعریف	۲
۳	مشرکین کی قسمیں	۳
۴	شرک کی مختلف شکلیں	۴
۷	نبی اور مجتہد شارح نہیں ہوتے	۵
۸	شرک کے اسباب	۶
۹	دارشین انبیاء کی ذمہ داری	۷
۱۰	منتار کل کا مسئلہ	۸
۱۳	غیر الشر سے مدد طلب کرنا	۹
۱۴	غیر الشر کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام	۱۰
۱۶	غیر الشر کے نام کا ورد کرنا	۱۱
۱۷	قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا	۱۲
۱۸	قبروں پر چڑھنا دے چڑھانا	۱۳
۲۰	حکم لگانے میں احتیاط	۱۴



الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَالْعَمَلُ وَالْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٌ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اما بعد ! گذشتہ محاضرے میں رضا خانوں کی کچھ اعتقادی بدعات کو بیان کیا گیا تھا، اس محاضرے میں ان کی دیگر اعتقادی بدعات اور اعمال شرکہ کو بیان کیا جا رہا ہے، لیکن پہلے توحید و شرک کی تعریف، مشرکین کی قسمیں اور شرک کی مختلف شکلیں بیان کی جاتی ہیں، تاکہ اعتقادی بدعت اور اعمال شرکہ کو پہچانتا آسان ہو۔

توحید کی تعریف توحید اس کا نام ہے کہ دل سے کالی یقین رکھے، اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اور اپنی صفات میں منفرد ہے، وہاں صفات میں اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں (بلکہ کھٹلہ شئی)، اور عبادت و پرستش صرف اسی کا تھی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)

شرک کی تعریف اور شرک کی تعریف یہ ہے کہ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسری ہستی کا سا جوا ہے۔ ذات میں شرک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے، جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں: یزدان (خیر کا خالق) اور اہرمئن (شر کا خالق)

اور صفات میں شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں، یا مادیں پوری کر سکتے ہیں، یا روزی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضہ قدرت میں ہے یا کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر بادی خدا کی طرح غیب کا علم رکھتے ہیں، اور کائنات

کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے، یا ہمارے تمام حالات سے وہ واقف ہیں، اور دور و نزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک میں۔

مشرکین کی قسمیں

(۱) وہ مشرکین جو عشر بل شاہ کی کلمت کو بالکل بھول گئے ہیں اور وہ دیوی دیوتا کا مقام بھی کی پوجا کرتے ہیں، ان ہی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ کر کاموں متوجہ نہیں ہوتے، اگرچہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ موجودات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منہی ہوتا ہے قربانی سب کو جو دیکھتے والا وہی ہے، مگر یہ بات ماننے کے باوجود ان کی عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے کوئی حصہ نہیں ہے، نہ کبھی وہ اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں،

(۲) وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کو بڑا اور کائنات کا مدبّر مانتے ہیں مگر وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ کبھی اپنے مخصوص بندوں کو بزرگی اور خدائی کا لباس پہنا دیتے ہیں، اور ان کو خاص مخصوص کاموں کا اختیار دے دیتے ہیں اور جو لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے حق میں وہ مخصوص بندے سفارش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں، جیسے بادشاہ سے مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کرتا ہے اور بڑے بڑے کام چھوڑ کر دیگر کاموں میں ان کو مختار کر دیتا ہے، اور ان کی اطاعت دوسروں پر واجب کر دیتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خداموں کے حق میں قبول کرتا ہے۔

یہ عقیدہ رکھنے والے اللہ کے مخصوص بندوں کو ”اللہ کا بندہ“، کہنے کے روادار نہیں بھی کہیں ان کو ”اللہ کا بندہ“ کہنے سے ان کے خیال میں شاہ و گدا برابر ہو جاتے ہیں، اس لئے وہ ان کو ”اللہ کا بندہ“ کہنے کے بجائے ”اللہ کا بیٹا“، یا ”اللہ کا محبوب“، کہتے ہیں، اور اپنے آپ کو ان کا بندہ کہتے ہیں، اور اپنا نام عبدالمسیح، عبدالعزیز، عبدالنبی، عبدالرسول اور عبدالمصطفیٰ وغیرہ شرک کی مختلف شکلیں

شرک ایک غفی اور پوشیدہ چیز ہے، اس کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا اور شریعت ایسی صورت میں کسی واضح علامت کو اس غفی اور قائم مقام گردانتی ہے، مثلاً ناقض وضو حقیقت میں خروج روع ہے، مگر سوجانے کے بعد اسے ادراک نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے ”نوم غالب“، کو خروج روع کے قائم مقام کر دیا

دستِ عین اے الترمذی آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، اس طرح جب مسلسل یہ عقیدہ مستحضر رہے گا تو کوئی مسلمان غیر الترمذی سے اپنی حاجت کہی طلب نہیں کرے گا۔

تنبیہ نیز الترمذی سے اسبابِ ظاہری کے درجہ میں مدد طلب کرنا جائز ہے، مثلاً کسی زندہ شخص سے کسی حاجت میں مدد طلب کرنا، لیکن اسبابِ خفیہ کے سہارے اللہ کے سوا کسی سے بھی مدد طلب کرنا شرک ہے، خواہ زندہ بزرگ ہو یا وفات یافتہ۔

تیسری شکل کچھ لوگ اللہ کے بعض مخصوص بندوں کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کو خدائی صفات و کالات کا حامل گردانتے تھے، اس لیے شرک کی اس شکل سے بھی شریعت نے سختی سے روک دیا ہے۔

چوتھی شکل کچھ لوگ اپنے مشائخ کو اس معنی کر کے "رب" بنا لیتے تھے کہ وہ جس چیز کو حلال کہیں، اسے حلال سمجھ لیتے تھے، اور وہ جس چیز کو حرام ٹھہرا دیں اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، یہ بھی شرک کی ایک شکل ہے قرآن مجید میں اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :-

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُم رُضَبَاءَ لَهُم مَّوَالٍ
مِّن دُونِ اللَّهِ وَاللَّهُ وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
وَمَا أُمُّرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا أَحَدًا
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
(سورہ توبہ آیہ ۳۱)

یہود و نصاریٰ نے اپنے مالوں اور بزرگوں کو اللہ
کو چھوڑ کر رب بنالیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی
مالا ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک خدا کی عبادت
کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ
لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

عالم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے، مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے مشائخ اور بزرگوں کو رب کیوں کر بنالیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ ان کے مشائخ جس چیز کو حلال کرتے تھے اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جس چیز کو حرام ٹھہراتے تھے وہ اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، (ترمذی ص ۱۳۶ ج ۲)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انبیاء کرام جو احکام بیان فرماتے ہیں یا مجتہدین عظام جو مسائل مستنبط کرتے ہیں اور حقیقت یہ حضرات شارع یعنی تحلیل و تحریم کے مالک نہیں ہوتے، نبی کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت محض واسطہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، درحقیقت وہ احکام اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے ہیں، اور مجتہدین کی طرف مستنبط کیے ہوئے احکام کی نسبت واسطہ درواسطہ ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ واسطہ درواسطہ بننے کی دو صورتیں ہیں

ایک نص کو روایت کرنے کے لوگوں تک پہنچانا، دوسرے نص میں غور کر کے اس کا مطلب اور اس سے ثابت شدہ احکام لوگوں کو بتانا، چنانچہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ منظر حکم ہے، یعنی قیاس واجتہاد سے کسی چیز کی حلت و حرمت کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کر دیا ہے، مجتہد اپنے اجتہاد سے اس کی حلت و حرمت کو واضح کرتا ہے اسی لیے وہی قیاس حجت شرعیہ ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہو،

لوگ بتوں کی اور ستاروں کی نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ان کے لیے **یاخویش شکل** بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اور اس کی دو شکلیں ہوتی تھیں (۱) کبھی تو جالوز دنگ کرتے وقت بلند آواز سے ان شرکار کا نام لیا کرتے تھے، (۲) اور کبھی ان کے مخصوص استعاذوں پر لے جا کر جالوز دنگ کیا کرتے تھے، اور زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے،

شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، قرآن پاک میں مَاصِلٌ غَیْرِ اللّٰہِ اور مَا دُیْعَ عَنِ الْمُتَّصِبِ کو مردار قرار دیا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے کچھ لوگ مختلف طرح سے جالوزوں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، کس کو بحیرۃ اور سائبہ کہتے تھے، کسی کو وصیلہ اور حام کہتے تھے اور ان کا مقصد ان باطل خداؤں کی نزدیکی اور قرب حاصل کرنا ہوتا تھا، جن کے نام پر وہ جالوز آزاد کیے جاتے تھے، قرآن کریم میں شرک کی اس صورت کو بھی حرام کر دیا گیا ہے،

لوگ ناموں کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ان ناموں کی جہتی قسم کھائی جائے گی تو تباہی آجائے گی، چنانچہ جب کسی کو قسم کھلانے کا موقع آتا

تو وہ ان شرکاء کے نام کی قسم کھلاتے کہ کھاؤلات و عری کی قسم: اور جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ کھاؤ
پیر کی قسم: کھاؤ غوث پاک کی قسم: کھاؤ مولیٰ علی کی قسم: شریعت نے شرک کی اس شکل کو بھی
منوع قرار دیا ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ
جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے اس غیر کو اللہ کے
(ترمذی شریف صفحہ ۱۷۱)

ساتھ شرک ٹھہرایا۔

آنکھوں کی شکل

اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی اولاد کا نام عبدالعزیز، عبدالشمس وغیرہ رکھتے تھے،
اور جاہل مسلمان اپنی اولاد کا نام عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالصطفیٰ وغیرہ رکھتے
ہیں، شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی منوع قرار دیا ہے، متعدد احادیث سے یہ بات
ثابت ہے کہ جن صحابہ کرام کے نام عبدالعزیز، عبدالشمس وغیرہ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان کے نام بدل دیئے تھے، کسی کا نام عبدالرحمن رکھا تھا تو کسی کا عبداللہ، ہذا جن مسلمانوں
کے والدین نے ایسے مشرکانہ نام رکھے ہوں ان کو بدل دینا ضروری ہے، نیز غلام نبی، غلام بول،
غلام مصطفیٰ، غلام جیلانی وغیرہ نام بھی اچھے نہیں ہیں، کیوں کہ اگرچہ غلام بمعنی لڑکے اور خادم آتا ہے
مگر مرد عبد، کا ترجمہ بھی غلام ہی ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تمام صورتیں شرک کے پیکر ہائے محسوس ہیں اور یہ وہ چور دروازے
ہیں جن سے شرک در آنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے شریعت نے ان تمام شکلوں کو حرام
قرار دیا ہے، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

شرک کے اسباب

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے دو سبب ہوتے ہیں،
(۱) نصوص شرعیہ کو غلط معانی پہنانا۔ خدائی صفات اور انسانی
صفات کے لیے نصوص میں ملتے جلتے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ
کو بھی رؤف رحیم کہا گیا ہے، اور سورہ توبہ کے آخر میں یہی صفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے بھی بیان کی گئی ہیں، اسی طرح سمیع وبصیر اللہ کی صفتیں ہیں، اور سورہ بنی اسرائیل کی پہلی
آیت میں ایک تفسیر کے مطابق یہی صفتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان ہوئی ہیں مگر ظاہر
ہے کہ خالق و مخلوق کی صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، لیکن کچھ لوگ حضور اکرم ص کی شان

میں غلو کرتے ہوئے اللہ جیسے صفات کے قائل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ م کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا، اور یہی شرک کی حقیقت ہے کہ خدائی صفات کسی بندے میں بعینہ یا کم بھی درجہ میں مساں لی جائے۔

(۲) فرق عادت معاملات کی حقیقت کو نہ جاننا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے ذریعہ یا فرشتے کے ذریعہ کوئی ایسا کام ظہور پذیر ہوتا ہے جس کو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، تو جاہل لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو یا فرشتے کو خدائی صفات اور بالائی طاقتوں کا حامل سمجھ لیتے ہیں، اور ان کو دیوی دیوتا قرار دے کر، یا غوث، قطب نام دے کر ان کے ساتھ خدائی معاملات کرنے لگتے ہیں۔

الفرض ان دو سببوں سے لوگوں میں شرک کی بیماری پھیلی ہے، پھر وہی بیماری نسلوں کا انتقال ہوئی اور واشین انبیاء کی ذمہ داری انبیاء کرام اور ان کے وارثین علماء امت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو شرک کی حقیقت سمجھائیں، اور خدائی صفات اور بندوں کی صفات کے درمیان جو فرق مراتب ہے، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرائیں کہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین درجہ اللہ جل شانہ کے لیے مخصوص ہے، اس میں کسی کو شریک کرنا تو حید کے سراسر منافی ہے، اگرچہ الفاظ ملتے جلتے ہیں، اللہ کے مقبول بندوں کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مگر ان کی صفات کا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے فروتر ہے، مثلاً، "طیب"، یعنی شفاء دینے والا اور حقیقت اللہ جل شانہ ہے، مگر مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی "طیب"، کہلاتا ہے، اس طرح سیدہ آقا اور مولیٰ کامل معنی کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی سیدہ آقا اور مولیٰ کہلاتے ہیں،

ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا میں "طیب" ہوں، فرمایا تھا کہ آپ تو مہربان ہیں، آپ کے دل میں میری پریشانی دیکھ کر جذبات نرم ابھر رہے، اور طیب یعنی شفاء دینے والے تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سیدہ آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہی ہے کہ حقیقی معنی کے اعتبار سے شفاء بخشنے والے اور سیدہ آقا

صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجازی معنی کے اعتبار سے بھی کسی انسان کو طیب اور آقا و سید نہیں کہہ سکتے۔

اس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں مرتبوں کے لیے ایک ہی لفظ کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، اور کس طرح حقیقی اور مجازی معنی میں تفاوت ہوتا ہے۔
 اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے رؤف و رحیم ہونے کا درجہ اور ہے، وہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رؤف و رحیم ہونا اور ہے، یہ صفات کا مجازی اور درجہ تر ہے، یہی حال سميع و بصیر اور دوسری صفات کا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حجتہ اللہ البالغہ ص ۳ تا ۵ جلد اول، باب فی بیان حقیقتہ الشّرع اور باب اقسام الشّرع۔

اس تہید کے بعد رضا خانی فرقہ کی چند اعتقادی بدعات اور کچھ اعمال شرک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔
 (۱) مختار کل کا مسئلہ۔ مختار، اختیار سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے، اور اسم مفعول کا بھی اگر اسم فاعل کا صیغہ ہو تو اس کے معنی "ہوں گے"، اختیار رکھنے والا

اور اسم مفعول ہو تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) اختیار دیا ہوا (۲) برگزیدہ اور چنا ہوا۔

اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم مفعول کے پہلے معنی یا اسم فاعل کے معنی کے اعتبار سے "مختار کل" کہتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار آپ کو دے دیا گیا تھا، یا کائنات میں تصرف کرنے کا آپ کی اختیار رکھتے تھے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرکین عرب سے بھی بدتر مشرک ہے، دیکھو کہ مشرکین عرب بھی اپنے دیوتاؤں کے لیے کلی اختیار نہیں مانتے تھے، بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص بندوں کو جزوی اختیار دے دیا ہے، قرآن پاک میں ہے کہ:-

كُلٌّ مِّنْ مَّيْمَنَةٍ مَّكُونُ كُلِّ شَيْءٍ وَ
 هُوَ يُخَيِّرُ ذَٰلِكَ يُجَاوِزُ عَلَيْهِ
 كُنْتُ نَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ

لَيْسَ -

آپ (مشرکین سے)، پوچھیے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے؟ اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ)، اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ ایسا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔

(سورہ مومنون آیہ ۸۸، ۸۹)

اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسم مفعول کے دوسرے معنی کے اعتبار سے مختار کل کہے تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ لفظ مختار کے ساتھ لفظ کل مل جانے کے بعد اسم مفعول کے دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں ہو سکتے، "مختار کل"، مرکب اضافی ہے جس کے معنی ہیں سب چیزوں کا اختیار دیا ہوا، اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ "سار کی مخلوقات میں سے چنیدہ اور برگزیدہ"، برگزیدہ درست نہیں ہے، صرف لفظ مختار بول کر اسم مفعول کے ثانی معنی مراد لینا بے شک درست ہے مثلاً کہیں کہ "محمد مختار"، کیوں کہ اب یہ مرکب توصیفی ہے جس کے معنی ہیں "برگزیدہ محمد"، اور یہ معنی درست ہے۔
الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ پیغمبر اور مخلوقات میں سب سے افضل ہیں، لیکن رضا خان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ پیغمبر ہونے کے اعتبار سے مختار کل نہیں کہتے، بلکہ اس لئے مختار کل کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار دے دیا گیا ہے، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:
"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا اور آخرت کی مرادیں سب حضور کے اختیار میں ہیں، (برکات الامداد ص ۵۷) اور ملفوظات حصہ چہارم ص ۷۱

یز خاں صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں کہتے ہیں کہ

ذکر تقریباً بھی ہے، ماذون بھی مختار بھی ہے، کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر
(مدائن بخشش ص ۱۸)

مزید کہتے ہیں کہ

احد سے احمد اور احمد سے جھکو کن اور سب کن کن حاصل ہے یا غوث
(حوالہ سابق ص ۱۸)

اس کے برخلاف تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک و ہمیم نہیں ہے، موت و حیات صحت و مرض، عطا و بخشش اور رفع و نقصان کے مالک مختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی یا جزوی اختیار عطا نہیں فرمایا، ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا
آپ فرمادیجئے کہ میں نہ اپنی جان کے بچنے کا مالک ہوں نہ:
الْأَمْشَاءُ اللَّهُ (سورہ اعراف ۱۸۱) مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں جو عقیدہ تھا وہ یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائیں گے، تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب کچھ مانگا ہو تو اللہ سے مانگ، اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر، اور یقین رکھ کہ ساری امت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری امت تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۳)

اور پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ :

إِنَّ الْخَلْقَ مَعْرُودٌ، لَا ضَلَكَ بَايَدِهِمْ
وَلَا مُلْكٌ، لَا عِشْيَا يَأْتِيهِمْ وَلَا مَقَرٌ
وَلَا مَرْءٌ يَأْتِيهِمْ وَلَا نَفْعٌ وَلَا مُلْكٌ
مِنْ دُھُورِ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، لَا قَادِرٌ
غَيْرُهُ، وَلَا مُعْطِيٌ وَلَا مُنَافِعٌ وَلَا مُضَارٌّ
وَلَا نَافِعٌ غَيْرُهُ وَلَا مُعْطِيٌ، وَلَا
مُصْلِحٌ غَيْرُهُ

(الفتح الرباني مجلس ۱۳)

بے شک ساری مخلوق عاجز اور کالعدم ہے، نہ
پلاکت ان کے ہاتھ میں ہے نہ ملک، نہ الداری ان
کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے اختیار میں ہے
نفع، اللہ جل شانہ کے سوا ان کے نزدیک نہ کوئی حاکم
ہے، نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی
دے والا ہے نہ روکنے والا ہے، نہ کوئی نقصان پہنچا
سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زکوٰۃ
بخش سکتا ہے، نہ موت دے سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ الفوز الکبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ
شرک آنست کہ غیر خدا را صفات مختصہ خدا ثابت
نماید، مثل تعریف در عالم بارادہ کہ تعبیر از اس
لکن نیکوئی می شود (ص ۵۸)

قاضی ثناء اللہ شہرپائی پتی رحمۃ اللہ علیہ "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

دیار قادر نیستند بر اسما، معدوم، یا اعدام موجود
اولیاء کرام معدوم کو وجود بخشے پر یا موجود کو معدوم کرنے

پس نسبت کروں ایجاد و اعدام و اعلائے رزق یا
اور اولاد و رفع بلا و مرض و غیر آں بسوئے مشاں
پر قادر نہیں ہیں، بس وجود بخشنے یا معدوم کرنے یہ لذت
اور اولاد و رفع بلا و مرض و غیر آں بسوئے مشاں
کی ان کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔ (ص ۴)

۴۷) **غیر اللہ سے مدد طلب کرنا** | امور عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت و اختیار
میں ہے، صرف زندہ شخص سے مدد طلب کرنا درست ہے مثلاً
کوئی عزیز کسی امیر سے کہے کہ میں محتاج ہوں خدا کے واسطے میری مدد کیجئے تو یہ جائز ہے، لیکن
امور غیر عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت و اختیار میں نہیں ہے کسی بھی شخص سے
مدد طلب کرنا حرام اور ناجائز ہے، چاہے وہ زندہ بزرگ ہو یا فوت شدہ ولی یا نبی ہو مثلاً کسی ولی
یا نبی سے اولاد، شفا اور بارش طلب کرنا، یا کسی ولی یا نبی سے بلائیں دور کرنے کی درخواست کرنا
حرام اور شرک جلی ہے، ارشاد خداوندی ہے:-

وَلَا تَدْعُ مَنِ دُنِيَ اللَّهِ بِأَلَّا يَنْفَعَكَ وَلَا
يَضُرَّكَ، فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ
الْمُخْلَعِينَ، وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ
فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ، وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ
فَلَا رَادَّ لِفِعْلِهِ۔

(سورہ یونس آیت ۱۰۶)
نیز ارشاد خداوندی ہے:-

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ
اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ الْإِثْمُ
الْقِيَاسَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ
(سورہ احقاف آیت ۲۴)

قاضی ثناء اللہ بانی پتی ارشاد الخالین میں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

عاز اولیاء مردگان یا زندگان و از انبیاء جاہلنت
فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیاء کرام سے دعا

رسول خدا فرمود اَللّٰهُمَّ رَمَحَ الْبِبادِ یعنی دماغواستن
از غذا عبادت است، پستریں آیت خواند و قال
رَبِّكُمْ اَوْ عُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاَنْتَ الْغَوْثُ
لَيْسَتْ كَبِيرُوْنَ عَنْ مِبادٍ فِیْ سَسَدٍ خُلُوْ
جِهَتُوْ ذَخْرَیْنِ اَبْرَیْھَمٰلِیْ گوند یا شیخ
عبدالغادر جیلا فی شیتا للہ، یا خواجہ شمس الدین
پانی پتی شیتا للہ جائز نیست شرک و کفر است
(ارشاد الطالبین ص ۱۸)

انگنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ ”دعا عبادت کا سفر ہے، پھر آپ نے
یہ آیت پڑھی وَقَالَ رَبِّكُمْ اَوْ عُوْنِیْ الْغَوْثِ اور تہا
رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا میں قبول
کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے منکر کرتے
ہیں وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے، اور
یہ جو جاہل لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبدالغادر جیلا فی شیتا
للہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیتا للہ، جائز نہیں
ہے، شرک و کفر ہے۔

(۳) غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ
صورتیں اور ان کے احکام

یہ ہے کہ شعرا اپنے تخیل میں جس طرح کبھی باد صبا کو خطاب کرتے ہیں، اور کبھی
پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو خطاب کرتے ہیں، مگر ان میں
کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں، وہ ان کی بات کو سنتے اور اس کا جواب
دیتے ہیں، بلکہ یہ ایک ذہنی پرداز ہوتی ہے، اسی طرح شعرا کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو بابرگان دین کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے وہ شرعاً درست اور جائز ہے
اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، اسی طرح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض انہما رحمت کے لیے خطاب کیا جائے
و اتعذرا مقصود نہ ہو یا جس طرح مادر شفیق کا بچہ جب فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کا نام لے کر
پکارتی ہے وہ جانتی ہے کہ اس کی آہ و بکاہ کی آواز بچے کے کان تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے
باوجود وہ اپنی ممتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اسی طرح جو عشاق آنحضرت صلی

کی محبت اور عشق میں واقعی جمل بھن گئے ہیں، اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے بغیر کسی کر دشت میں نہیں آتا، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچ سکتی، تو ان کا ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز بھیج سکتا ہے، بشرطیکہ عقیدہ میں فساد نہ آئے، یا ان کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہ ہے کہ کوئی شخص ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یا رسول اللہ“ کے **تیسری صورت** صیغہ سے درود شریف پڑھتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس درود کو بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں، تو یہ بھی جائز ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:-

مَنْ صَلَّى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ
وَمَنْ صَلَّى عَلَیَّ نَامِئًا اَبْلَغْتُهُ،
(مشکوٰۃ شریفہ مکث)
جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجے گا، میں اسے خود سنوں گا، اور جو شخص مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھے پہنچایا جائے گا،

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ:-

وَاللّٰهُ مَلَائِكَتُهُ سَاجِدٌ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنَ
مِیْنَتِی السَّلَامَ (مشکوٰۃ شریفہ مکث)
بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں اگرچہ اس کے لیے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ درود سے درود و سلام بھیجے گا جو طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے، غائبانہ درود و سلام میں خطاب کا صیغہ استعمال نہ کرے، مگر اس کے باوجود اگر اس کے عقیدہ میں کسی قسم کا فساد نہیں ہے، نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے شخص کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس طرح درود شریف پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر مبراہ شریف **چوتھی صورت** میں کہے ”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یا رسول اللہ“، تو یہ خطاب اور انداز صرف جائز بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اقدس میں بیعت ہیں اور ہر نماز کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں، اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

پانچویں صورت

یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے "یا رسول اللہ" کہے کہ جس طرح اللہ
ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتے ہیں، اور مصیبت کو دور فرماتے ہیں، اسی طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں، اور ہر شخص کی فریاد سنتے ہیں اور اس کی مصیبت
دور فرماتے ہیں، تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں، کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر
نہیں، نہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے۔

(۴) غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا

یہاں یہ مسئلہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح دعا اور تقرب کی غیر
سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے، اور اس کے پاک ناموں کا ورد کیا
جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا ورد کرنا ناجائز نہیں
ہے کیوں کہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ
کی عبادت کو ناشرک ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ "فتاویٰ عزیزی"، مسر
تحریر فرماتے ہیں :-

پرستش آنست کہ سجدہ کند، یا طواف نماید، یا
نام اور الباقی تقرب و روضہ سازد، یا ذبح جائز بنا
او کند، یا خود را بندہ غلامی بخوید، و ہر آنکہ از مسلمانان
جاہل باہل بقول اس چیز را بعل آرد فی الغور کا فرمی
مردود، و از مسلمان می برآید،

(فتاویٰ عزیزی ص ۳۳ ج ۱)

اور قاضی شامہ الشریانی پتیؒ ارشاد الطاہرین میں ارقام فرماتے ہیں :-

مگر آن کہ ذکر محمد رسول اللہ یا ذکر خدا تعالیٰ در اذان
و اقامت و تشہد و مانند آن عبادت است، و ذکر محمد
رسول اللہ ہم برد و ہمیکہ در شریعت وارد نشده است
چنانکہ کسی بطور وظیفہ یا حمد یا حمد یا حمد گفتہ باشد
روا باشد (ص ۱۹)

عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے یا اس
کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے، یا اس کے
نام پر جائز ذبح کرے، یا اپنے آپ کو غلام کا بندہ
کہے۔ جاہل مسلمانوں میں سے ہر شخص جو اہل
قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا، وہ خود کا فر ہو جائے
گا، اور اسلام سے نکل جائے گا۔

اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر اذان و
اقامت اور تشہد وغیرہ میں عبادت ہے، مگر محمد رسول
کا ذکر ایسے طریق پر کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ہوا
مثلاً کوئی شخص وظیفہ کے طور پر یا حمد یا حمد یا حمد کہے
گا تو ناجائز ہو گا۔

اہلِ قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا | جاہل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں اس آستانوں کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرکیہ ہیں، اس

جسے کہ طواف، سجدہ، رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جو پوجا کی حد تک پہنچ جائے، آخرت میں اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اس غلو کی بنا پر گمراہ ہوئی ہیں اس لیے آپ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، ائمہ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ

ان رسول اللہ علیہ وسلم قال رقی بلا شبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جس سے آپ کو آفتاب نہیں ہوا یعنی مرض دغا (میں) فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو جو دودھ نصاریٰ پر کر انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ :

لا تکان من کان قبلكم ولا یخذون قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار : تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں

نہما کوعن ذالک (حوالہ بالا)

ان احادیث کی بنا پر علمائے اہل سنت والجماعت نے قبروں پر سجدہ کرنے کو شرک جلی قرار دیا ہے، حضرت ملا علی قاری کا لعن اللہ الیہود والنصارى کی شرح میں ارشاد ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے۔

اور حضرت قاضی شام الشریافی پتی حنفی "مالا بد منہ"، میں لکھتے ہیں کہ :-

انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف چہرہ کر کے سجدہ کرنا قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا اور

برائے آہٹا قبول کردن حرام است، بلکہ چیز بازاں
بکفری رساند، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر آہٹا لعنت
گفت، و از آن منع فرموده، و گفتہ کہ قبر مرآت نکند
(مالا بدمنہ ص ۵۴)

ان کے لیے متین، ماننا حرام ہے، بلکہ ان میں سے
بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ان
سے روکا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنایا

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں
بلکہ ان کی متین بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو گیا
(۶) قبروں پر چڑھاوے چڑھانا
تو وہ فلاں بزرگ کی قبر پر غلاف یا شیرنی چڑھائیں گے، یہ بھی شرک و کفر ہے، اس لیے کہ منت
ماننا اور نذر و نیاز پیش کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، فقہ حنفی کی مشہور
کتاب "در مختار" میں ہے

واعلموا ان النذر الذی یقع للاموات
من اکثر العوام، وما یؤخذ من الذر لیس
والشمع والزیت ونحو سالی ضرائح
الادلیاء الکرام تقرباً الیہم
فہو باطل و حرام
اور علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ :-

جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے
نام کی جو نذر و منت مانی جاتی ہے، اور اولیائے
کرام کی قبروں پر روپے پیسے، موم بتیاں اور
تیل وغیرہ بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی غرض
سے جو لایا جاتا ہے وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے

(قولہ باطل و حرام) لوجوز: مستہماً اسنہ
نذر لمخلوق، والنذر لمخلوق لا یعرف
لانہ عبادۃ و العبادۃ لا تكون لمخلوق
ومستہماً ان النذر ولہ میت، بالعیث
لا یملک، ومستہماً انہ ان ظن ان
المیت یتصرف فی الامور دون
اللہ تعالیٰ واعتقاد لا ذالک
کفر،

باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں: ایک یہ ہے کہ
یہ نذر مخلوق کے لیے ہے، اور مخلوق کے لیے نذر
ماننا جائز نہیں، اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور
مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ
یہ ہے کہ جس کے لیے منت مانی گئی ہے وہ مردہ ہے
اور مردہ کو مالک بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔
تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر نذر مانتے والے کا خیال یہ
ہے کہ اللہ کے سوا مردہ بزرگ بھی کائنات میں

(مستادی شامی مثلہ ۲۶ قُبیل باب
تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کا یہ
العقیدہ کفر ہے۔)

الحاصل اولیائے کرام کے مزاروں پر جو منیتیں مانی جاتی ہیں، اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو، اور یہ خیال ہو کہ اس نذر نیاز کو قبول کر کے وہ ہمارے کام کر دیں گے، اور ہماری بگڑی بنا دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت زد کی تو ہم سے ناراض ہو جائیں گے، اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو یہ بالاتفاق حرام اور باطل ہے، اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں،

اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، حضرت قاضی ثنار الشریانی پتیؒ فرماتے ہیں :-

والگے نذر کر دو نائے نذر کنند کہ احترام از
اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے اس لیے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے معیت بقدر امکان واجب است۔
(ارشاد الطالبین ص ۱۹)
پرمیز کرنا واجب ہے۔

اور اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی اور اسے پورا بھی کر دیا، تو وہ چیز غیر الشر کے لیے نام زد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی، اس کا استعمال کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہوگا، البتہ جس شخص نے چڑھا دیا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے وہ اپنی منت سے توبہ کر کے وہ چیز واپس لے سکتا ہے، یہی حکم اس جائز کا ہے جو غیر الشر کے لیے نام زد کیا گیا ہو کہ جب تک وہ جائز زندہ ہے منت ماننے والا اپنی منت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے، لیکن اگر وہ غیر الشر کے نام پر ذبح کر دیا گیا، چاہے ذبح کے وقت اس میں بسم اللہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا،

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ :

لا تَنْذَرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ
شَيْئًا، وَالْمَنَاسِكُ تَخْرُجُ بِهِ مِنْ مَالِ
الْبَغِيلِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص ۲۳۵)

مستیں دے کر دے، کیوں کہ منت تقدیر کے مقابل
میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے ذریعہ تو بس بغیل
کا مال نکالا جاتا ہے،

شرح عبدالحق محدث دہلوی: اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”منت لمنے کی ممانعت اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو مال دیتی ہے بلکہ
لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے، اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لیے متیں مانا
کرتے تھے، اور یہ بغیل لوگوں کا دیر ہے، اس لیے ان کو روکا گیا، لیکن سخی لوگ نذر مانے بغیر اپنے احتیاج
سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، پس اس فرض سے منت لمنے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے اس میں اس بات
کی ترغیب دینا ہے کہ منت تو مانی جائے مگر اخلاص کے ساتھ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف)

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات سے بلائیں دور ہوتی ہیں، لیکن نذر لمنے
وہ ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہو تو صدقہ و خیرات کمرے گا ورنہ نہیں۔

الفرض جو منت الشر کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاء و قدر کے فیصلے تبدیل نہیں
ہوتے، اس سے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو متیں مانی جاتی ہیں، ان سے
خدا کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت لمنے کے بعد اگر کام نہ ہوا، تب تو
لوگ تقدیر کا روزگار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: بس تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اور اگر کام
ہو گیا تو اس کو تقدیر کا فیصلہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ
کی منت مانی تھی اس سے ہمارا کام ہو گیا، یہ ہے وہ جو جس سے خدادہ عقیدہ کی شاخیں پھوٹی
ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندے کا بجا رکھتا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد میں اس کی تصحیح کی ہے کہ جو منت خدا کے
نام کی مانی جائے وہ بھی اس کی قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی چر جائیکہ وہ منت جو اس کے
عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے۔

حکم لگانے میں احتیاط

ایمان و توحید اور کفر و شرک کے سلسلے میں مذکورہ بالا تفصیلات
کے جاننے کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ کفر و شرک کا معاملہ نہایت
ذلیل و حقیر ہے۔

سچ ہے جس کا ایمان ثابت ہو چکا ہو اس پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط برتنی ضروری ہے، فقہائے کرام و مہم الشریعہ نے اس سلسلہ میں جو ضابطہ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا ہے، جب کوئی صورت باقی نہ رہے اس وقت کفر کا حکم لگایا جاتا ہے، اس لیے جو شخص افعال شریکے میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا، جیسے بت کو سجدہ کرنا تو وہ شخص فوراً مشرک و کافر ہو جائے گا، قناعتی عربی کی میں ہے:-

پرستی آنت کہ سجدہ کند، یا طواف نہاید، یا نام او عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے، یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر درود کرے، یا اس کے نام پر جان و زرع کرے، یا اپنے آپ کو غلام کا بندہ کہے، یا خود را بندہ فلائی بگوید، و دیگر از مسلمانان باہل باہل جو را پس چیز باہل آر دنی الخور کا فرمی کہہ، و از مسلمانی می بر آید۔

عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے، یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر درود کرے، یا اس کے نام پر جان و زرع کرے، یا اپنے آپ کو غلام کا بندہ کہے، یا خود را بندہ فلائی بگوید، و دیگر از مسلمانان باہل باہل جو را پس چیز باہل آر دنی الخور کا فرمی کہہ، و از مسلمانی می بر آید۔

اسلام سے نکل جائے گا۔ (قناعتی عربی کی ۵۵ جلد اول)

(۲) اور جو لوگ کسی تاویل سے کسی شریکے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا یا کسی شریکے بات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کا عقیدہ رکھنا، ان پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۳) اور جو شخص بغیر تاویل کے دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے آنحضرت صلعم کے لیے عطائی اور محیط خاص کی تاویل کے بغیر علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنا، یا تاویل میں سے دین کے کسی بدیہی اجماعی قطعی عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے خاتم النبیین کی تاویل نبیوں کی مہر کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کا قائل ہو تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے، علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے "تنبیہ الولاة والحاکما" میں ارتکاف فرماتے ہیں:

عاصلة ان المحکوم بکفره من اذا اهلوا و بدعتہ الی مخالفة دلیل قطعی لا یسوغ فیہ تاویل اصل ذکر ایه قرآنیة، او تکذیب حاصل کلام یہ ہے کہ صرف اسی شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جس کی گمراہی ایسی دلیل قطعی کے خلاف ہو جس میں تاویل کی بالکل گنجائش نہیں جیسے قرآن پاک کی کسی آیت کا

سچ
یر کے مقابلہ
قرس بنس
شرعی ہے کیونکہ
بے منتیں مانا
بغیر اپنے اختیار
س میں اس بات
ن نذر ماننے
تبدیل نہیں
ان سے
ہوا، تب تو
اور اگر کام
فلاں بزر
شاہین پوٹی
بناتا ہے
نت خدا کے
جو اس کے
تفصیلات
ما نہایت

ضبی اور انکار احد ارکان الاسلام و
نحو ذلک، بخلاف غیرہو کہ مبین
اعتقد ان علیاً رضی اللہ عنہ بالغلط
و صاروا یستنبطون الصحابة لانہو
منعوا حقہ و نحوہم فلا یحکم
بکفرہم و احتیاطاً، وان کان معتقد
فی نفسه کفر اسی یکنفر بہ من
اعتقد بلا شبہ صیغۃ تاریل۔
(رسائل ابن عابدین ص ۳۳، ۳۴)
مطبوعہ سہیل انکیت می لاہور

✽ ✽ ✽ ✽ ✽

انکار کرتا، یا کسی نبی کی تکذیب کرتا، یا ارکان اسلام
میں سے کسی رکن کا انکار کرتا وغیرہ، بر خلاف
ان لوگوں کے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ عقدار تھے، اور وہ صحابہ
کرام کو اس لیے برا بھلا کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے
ان کے خیال میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا حق نہیں دیا
اور انہیں جیسے دوسرے لوگوں پر احتیاطاً کفر کا
حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ان کا اعتقاد فی
نفسہ کفر ہو، یعنی دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ
رکھنے کی وجہ سے صرف اس شخص کو کافر قرار
دیا جائے گا جو بلا تاویل دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ
رکھتا ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ فتاویٰ عزیزی میں ارقام فرماتے ہیں کہ
اگر کوئی شخص قرن اول (صحابہ و تابعین) کے
بیان کردہ مفہوم کے علاوہ ہر نفوس کو حمل کرتا
ہے تو اس کی تو ایجابات کو دیکھا جائے گا، اگر
دلائل قطعیہ یعنی نفوس متواترہ اور اجماع قطعی
کے خلاف ہے، تو اس کو کافر شمار کرنا چاہیے
اور اگر دلائل قطعیہ جو یقین کے قریب ہیں مثلاً خبر شہید
اور اجماع عربی کے خلاف ہے تو اس کو گمراہ سمجھنا
چاہیے، نہ کہ کافر ✽ ✽ ✽ ✽ ✽
(جلد اول ص ۱۷۷)

یہم قرانا المنحق حقاً و رزقنا تباعہ، و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ
وصلی اللہ علی النبی الامی الہامشی و علی آلہ و صحبہ اجمعین و الحمد للہ رب العالمین

کتبہ: سہیل احمد قاسمی محلہ محل دیوبند

سید شمس الاسلام

بابت ۱۵۲۱

یا نخواست محاضرات علمیہ

بر موضوع

۱۶/۰۶/۰۸



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالپوری

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
۱۳	گیارہویں کا کھانا	۱۱	۳	سیرت طیبہ سے استفادہ کے دوطریقے
۱۶	گیارہویں کا جشن	۱۲	۴	میلاد کی تاریخ
۱۶	کھانے پر فاتحہ	۱۳	۵	میلاد مرحومہ
۱۸	تیجا، ساتواں، اور چالیسواں کرنا	۱۴	۶	میلاد مرحومہ کا حکم
۱۸	سزا جنازہ کے بعد دعا	۱۵	۷	ایصال ثواب کے لیے ریح الاول کی
۱۹	رضا خانی مغالطہ	۱۶	۸	تعیین بدعت ہے۔
۲۱	جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا	۱۷	۹	قیام میلاد کی کا حکم
۲۲	قبر پر اذان دینا	۱۸	۱۰	مرحومہ عرس بھی بدعت ہے
۲۳	اذان کے وقت انگوٹھے چومنا	۱۹	۱۱	پختہ عزارات بنانا اور ان پر
۲۴	سزاؤں کے بعد مصافحہ کرنا	۲۰	۱۲	گنبد تعمیر کرنا
۲۵	سزاؤں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا	۲۱	۱۳	قبروں پر چڑھا کرنا
۲۶	نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا	۲۲	۱۴	مرادوں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا



الحمد لله الذي يعكفم بالحق كما يرضى وَيَجْزِي كُلَّ نَفْسٍ بِمَا
تَسْعَى، وَالْيَهْ الْمَأْبُورُ الرَّجْعِي، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى بَدْرِ الدُّجَى وَ
شَمْسِ الصُّحَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ كَانُوا مَصَابِيحَ الْمُهْدَى
أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّا خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرُ الْمُهْدَى هَدْيُ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُعْدَنَاتُهَا، وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ
كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دوسرے محاضرے میں بدعت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ۱۔ بدعت اعتقادی اور بدعت
عملی پھر دوسرے اور چوتھے محاضرے میں رضا خانیوں کی اعتقادی بدعات اور اعمال شرعیہ کو ذکر
کیا گیا ہے، اب اس محاضرے میں رضا خانیوں کی ان عملی بدعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کو انہوں
نے سنت قرار دیا ہے، بلکہ اہل سنت کی خاص علامات اور شعار بنا دیا ہے۔

سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے
استفادہ کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ آپ کی
ایک ایک ادا اور ایک ایک سنت پر اس طرح عمل کیا جائے کہ ہر امتی کی صورت و سیرت، چلا
ڈھال، رفتار و گفتار اور اخلاق و کردار آپ کی سیرت طیبہ کا مرقع بن جائیں، اور دیکھنے والے
کو نظر آئے کہ یہ سرکارِ دو عالم، تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیروکار اور سنت
نبوی کا واقعی عاشق ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر
مجلس و محفل کو معذور و معطر کیا جائے، آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کی سنتوں اور اعمال و
اخلاق کا تذکرہ کیا جائے۔

سلف صالحین صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل و مجلس میں آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے، یہی عاشقان رسول تھے، جن کے دم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف ادراک کتب کی زینت نہ رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی بن گئی، اور اسکی بونے عنبریں نے شام عالم کو معطر کر دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عظام و بہت سے ایسے ممالک میں پیچھے چہاں کی زبان نہیں جانتے تھے مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جہاں محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔

مگر جوں زما نہ نبوت سے بعد ہوتا گیا، جذبہ اطاعت کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ بس ایک وقتی جذبہ ہو کر رہ گیا، سب زین پر عبادت و اطاعت کر لی، پھر چھٹی منالی۔ اسی طرح سیرت طیبہ کا معاملہ بھی ہو گیا کہ زندگیوں میں اس کا نمود بھی کم ہو گیا، اور ہر مجلس و محفل میں اس کا تذکرہ بھی ختم ہو گیا، بس ریح الاول کا مہینہ آیا تو کچھ الشاسید ہامو لو د پڑھ لیا، پھر بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

میلاد کی تاریخ اب لوگ میلاد کے نام پر جو محفلیں سجاتے ہیں اسلاف کے زمانہ میں ان کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، محفل میلاد کا آغاز سب سے پہلے مسلمان سلطان ابو سعید مظفر الدین صاحب اربل نے کیا۔ اور ابو الخطاب عمر بن وحید نے اس کی تائید میں مواد فراہم کیا اور اس کے صلہ میں سلطان ابو سعید نے ابو الخطاب کو خطیر رقم دی، اس بادشاہ کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

كَانَ يَسْتَفِقُّ كُلَّ سَنَةٍ عَلَى مَوْلِدِ النَّبِيِّ
صَلَّوْهُ وَتِلَاثًا مِائَةً أَلْفًا
(دول الاسلام سنہ ۲۶۷)

وہ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد پر تقریباً تین لاکھ کی رقم خرچ کرتا تھا۔

اور ابو الخطاب عمر بن وحید کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

وَكَانَ ظَاهِرًا هَكَذَا الْمَذْهَبُ كَثِيرًا رَوِيْعَةً
فِي الْأَثَمَةِ فِي السَّلَفِ مِنَ الْعُلَمَاءِ

وہ ظاہری یعنی غیر مقلد تھا، ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرتے

والا ، گندکی زبان والا ، بے وقوف ، بڑا سنگبر
دیں باتوں کی بہت کم سوچو بوجھ رکھنے والا ،
اور ان میں سستی کرنے والا تھا۔

(تسلسلہ الحیات ص ۲۷)

الغرض یہ ہیں وہ دو شخص جنہوں نے میلاد کی رسم ایجاد کی تھی اور اس میں تین باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا تھا (۱) ربيع الاول کی تاریخ کا تعین (۲) علماء و ادویہ کا اجتماع ، (۳) اور اختتام محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح کو ایصالِ ثواب۔ ان خود ساختہ قیودات کی بنا پر اس وقت کے علماء میں سے علامہ فاکھانی اور ان کے رفقاء نے اس میں شرکت کرنے سے عذر کیا، اور اسے بدعت ضلالہ قرار دیا، اور دوسرے علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی، اور ان قیود است کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا

مگر آگے چل کر یہ محفل صرف علماء اور صلیہ کے اجتماع تک محدود نہ رہی، بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا مہجوں مرکب بن گئی، اور اب اس زمانہ میں عید میلاد النبیؐ کی جو صورت رائج ہے وہی میلادِ مرقوم کہلاتا ہے۔

میلادِ مروجہ | کامطلب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر آپ کی ولادت
باسعدت کے من گھڑت واقعات اور جھوٹے قصے بیان کرنا، اور جب آپ کی
ولادت مبارکہ کا تذکرہ آئے تو تمام حاضرین مجلس کا گھر طے ہو کر ولادت کے تذکرہ کو سننا، ولادت
مبارکہ کا سوانح بنانا، بے ریش اور خوش الحان لڑکوں کا غزل خوانی کرنا، عورتوں کا بن سوز کمر
شریک محفل ہونا، ضرورت سے زیادہ محفل کو سبانا، اقامت محفل پر شیرینی تقسیم کرنا، فخر و جود
سید الکونین تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں حد سے زیادہ
غلو کرنا، محفل میلاد میں شریک ہونے کو فرائض و اجبات سے زیادہ اہم اور باعث برکت سمجھنا
اور شریک نہ ہونے والوں کو برا بھلا کہنا، نماز جیسے اہم عبادت کے فوت ہونے کی پروا نہ کرنا،
اور معاصی سے اجتناب نہ کرنا، اور یہ سمجھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں بغض
نفیس تشریف لاتے ہیں۔ اور کچھ عرصے سے تو عید میلاد النبی کے موقع پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ اطر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔

میلادِ مروجہ کا حکم | میلادِ مروجہ تمام علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حرام اور بدعت ہے، علامہ ابن الجباز مالکی زہبی یا ناز کتاب "مَدخل" میں ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْ جُمْلَةِ مَا أَحْدَثُوا مِنْ الْمَبْدَعِ
— مع امتقادهم ان ذلک من
الکبر العبادات واظهار الشعائر —
ما یفعلونه فی شهر ربیع الاول من
المولد وقد احتوی علی بدع ومعرف
جمعة (مُخل ص ۲ ج ۲)

اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی اپنے فتاویٰ "تحفة القضاة" میں لکھتے ہیں:

سئل القاضي عن مجلس المولد
الشريف، قال: لا یستعید، لانه
محدث، وكلُّ محدثٍ ضلالةٌ، و
كلُّ ضلالةٍ فی النار، وما یفعلون
من العجائب علی رأس كل حویل فی
شهر ربیع الاول لیس بشیء، ویقومون
عند ذکر مولد لصلی اللہ علیہ وسلم
ویزعمون ان روحه صلوعیجی راحض
فزعهم باطل، بل هذا لا یمتد شرک
وقد منع الاثمة الاربعة عن مثل هذا
(بحوالہ الجنبۃ لاهل السنة ص ۲۲)

قاضی سے محفل میلاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ محفل میلاد کا انعقاد صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں ہے اور مسلمان ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں جو محفل میلاد منعقد کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور آپ کی ولادت مبارک کے تذکرہ کے وقت لوگ گھڑے ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی مبارک روح آتی ہے اور حاضر ہے، ان کا یہ سمجھنا باطل ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور چاروں اماموں نے ایسا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کھانا پکا کر فقرا و مساکین کو کھلانا، اور اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا جائز ہے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے کے لیے ربیع الاول کی تعیین کرنا بدعت ہے، فتاویٰ عزیزی میں ہے :

مسوال : پختن طعام در ایام ربیع الاول برائے خدا
دوسرے ثواب آن بروح پر فتوح حضرت سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، یا حضرت امام حسین رضی اللہ
عزہ ابام محرم و دیگر آل اہلبا سید مختار صمیح
است یا نہ ؟
جواب : انسان در کار خود مختار است، میرسد کہ
ثواب خود برائے بزرگان یا ایمان گردانہ، لیکن برائے
اس کا وقت در دو تعیین نموده ما ہے مقرر کردن بدعت
است (فتاویٰ عزیزی ص ۳۷)

جواب : انسان اپنے کام میں مختار ہے اس کو
حق ہے کہ اپنا ثواب یا ایمان بزرگوں کو بخش دے
لیکن اس کام کے لیے وقت اور دن کی تعیین
کرنا اور کوئی ہبیز مقرر کرنا بدعت ہے۔

قیام میلاد کی حکمت اس طرح ولادت مبارکہ کے تذکرے کے وقت تمام حاضرین مجلس کا کھڑا ہونا بھی بدعت ہے، خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

لعمریکین شخص حبیب البیہومن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وکان اذا ارادہ لیرقیصوا، لما یعلمون
من کرامتہ لذلک، روا لا
الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ باب القیام)
صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، اس کے
باجود صحابہ کرام آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے
تھے، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو کھڑے
ہونے سے ناگواری ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بھی کھڑے نہیں ہوتے
تھے تو ہمارے لیے محض اس خیال باطل کی بنیاد پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں
تشریف لاتے ہیں کھڑا ہونا کیوں کر روا ہو سکتا ہے؟ سیرت شامی میں ہے کہ

حیرتِ عادیہ کثیر من المحبین اذا سمعوا
ذکر وضعہ مسلّمون ان یقوموا تعظیماً
لہ صلی اللہ علیہ وسلم، وعدہ القیام
ببدعۃ لا اصل لہا (بحوالہ الجلالین السنۃ ۱۰۰۰)

بہت سے محبین کی عادت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت سن کر آپ کی
تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ
قیام بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے
میلادِ مروجہ کی طرح بزرگانِ دین کے مزاروں پر ہر سال ایک
(۳) مروجہ عرس بھی بدعت ہے

بدعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

لا تجعلوا قبری عیداً (مشکوٰۃ ص ۱۰۰)

میری قبر کو جشن نہ بناؤ۔

علامہ محمد طاہر میمنیؒ اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :

لَا تَجْعَلُ مَعْرَاضَ زِيَارَتِهِ اجْتِمَاعُ كُوفٍ
لِلْعِيدِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ لَمْ يَهْوَ وَسُرُورٍ
وَحَالِ الزِّيَارَةِ بخلافہ، رکات
دُأبِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَأَوْرَشُهُ
الْقُسْرَةَ۔

روضۃ الطہر کی زیارت کے لیے عید کی طرح جمعیت
ہو دیکوں کہ عید تو گھیل اور خوشی کا دن ہے، اور
زیارت قبر کا حال اس کے برخلاف ہے، اور
عید کی طرح قبروں پر جمع ہونا اہل کتاب کا شیوہ تھا،
جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے اور
رقتِ قلب جو زیارتِ قبور کا مقصد تھا وہ فوت ہو گیا۔

(مجمع جہاد الانوار ص ۱۰۰ ج ۳)

اور مجالسِ الابرار میں ہے :

وَنَهَى عَنْ اخْتِادِنِهَا عِيدًا، وَهَوٍ
يُخَالِفُوهَا وَيَتَخَذُونَهَا عِيدًا
وَيَجْتَمِعُونَ فِيهَا كَمَا يَجْتَمِعُونَ
لِلْعِيدِ اَوْ اَكْثَرِ۔

شریعت نے قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے،
اور حال یہ ہے کہ لوگ شریعت کی مخالفت کرتے
ہیں اور قبروں کو عید بناتے ہیں، اور مزاروں پر لوگ
اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح عید کے لیے
اکٹھا ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

(مجالس الابرار ص ۱۰۰ مجلس ۱۰)

اور قاضی ثناء اللہ شربانیؒ نے تغیرِ منظر میں ارقام فرماتے ہیں کہ :

لا يجوز ما يفعل عليه العبد كالقبور
جہاں لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں کے ساتھ

جو معاملات کرتے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اس کے گرد گھومنا، ان پر چراغ رکھنا اور ان کو سجدہ گاہ بنانا، اور میلوں کی طرح ایک سال کے بعد جمع ہونا جس کو لوگ عرس کہتے ہیں۔

سوال: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا، یا ان کے عرس کے دن جو معین ہے زیارت کے لیے جانا درست ہے یا نہیں۔

جواب: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا بدعت ہے، اصل زیارت جائز ہے، اور وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا، اور یہ بدعت ایسی ہے کہ اس کی اصل جائز ہے مگر وقت کی تخصیص بدعت ہے، اس کی مثال عمر کی نماز کے بعد وضو کرنا ہے جس کا ملک توران وغیرہ میں رواج ہے۔

مزاروں کو پختہ بنانا اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ناجائز اور بدعت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ

الاولیاء والشہداء من السجود و الطواف حولہا و اتخاذ السُّرُج و المساجد علیہا و من الاجتماع بعد العول کالاعیاد و یُسَمَّوْنَہُ عَرَسًا (تفسیر مظہری صفحہ ۲۶) اور قناد کی عزیزی کی میں ہے:

سوال: برائے زیارت قبور روز معین نمودن یا روز عرس ایصال کر معین است رفتن درست است یا نہ؟

جواب: برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است، و اصل زیارت جائز، و تعین وقت در سلف نبود، و این بدعت از اہل قبیل است کہ اہلش جائز است، و خصوصیت وقت بدعت مانع مضافاً بعد العصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۶)

(۳) پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یُجْعَلَ القبر دُائِیً یُسَبَّحُ عَلَیْہِ و ان یُقْعَدَ عَلَیْہِ، و لا یُسلَّمُ (مشکوٰۃ)

اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ردِ رضا خانیت

أَنْ تُجَمَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُكْتَبَ
عَلَيْهَا وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهَا وَأَنْ
تُرَافَ (ترمذی شریف ص ۱۲۴)

شرح ابراہیم طبری حنفی، شرح منیۃ المصلی، میں ارقام فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفہ ۳ انه یکرہ ان یسبئی
علیہ بناء من بیت اوقبۃ اودخو
ذالک لعمارت من الحدیث اذ غار
کذا یکرہ وطمۃ، والجلوس علیہ
کذلک وکرہ ابو یوسف الکتابۃ ایضا
(کبیری ص ۵۵)

امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ قبر پر مکان یا گنبد یا
اس کے مانند کوئی عمارت بنانا کر دہ ہے، اس حدیث
کی وجہ سے جو ابھی گزری، اسی طرح قبر کو دغا بھی
کر دہ ہے، اور اس پر بیٹھنے کا بھی یہی حکم ہے، اور امام
ابو یوسف ۷ نے کتابت یعنی کتبہ لگانے کو بھی کر دہ
قرار دیا ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفی حدیث من ابتداء بدعة ضلالة کی شرح میں ارقام فرما
ہیں کہ:

وهی ما اکره ائمة المسلمین
کالبناء علی القبور وتجمیسها
(مرقات ص ۱۲۴)

بدعت ضلالہ وہ ہے جس پر ائمہ مسلمین نے
نیکر فرمائی ہے، جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان
کو پختہ کرنا۔

۴) قبروں پر چراغاں کرنا | قبروں پر چراغ، قندیل اور موم پینا وغیرہ روشن کرنا بھی بدعت
ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلافِ شرع حرکت
سے نہ صرف روکا ہے، بلکہ قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے، حضرت
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں

لعن رسول الله صلی الله علیه
وسلموا اشارات القبور والمتخذین
علیہا المساجد والشرج، رواه
ابوداؤد والترمذی والنسائی (مشکوٰۃ ص ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے
قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور قبروں
پر مسجد بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن
کرنے والوں پر۔

جس

کرنے، ان پر لکھنے، ان پر تعمیر کرنے اور
ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

والسج

فیہ

لا نفع

عن آ

تعظی

القبور

قبر

ساخ

بہم

بعض

نیز قبور

مرا

شاہ

کرد

واما

ولم یوسر

بدعات

حضرت ملا علی قاری حنفیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

والنہی عن اتخاذ السروج لما
فیہ من تفتیح المال، لانہ
لا یفیع لاحد من السراج، ولا نہا
عن آثارہ منور اما للاحق ازمن
تعمیر القبور کالنہی عن اتخاذ
القبور مساجد لہرقات ص ۲۱۲

چراغ رکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس
میں مال فائدہ کرتا ہے، کیوں کہ چراغ سے کسی کو
فائدہ نہیں، اور روکنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے
کہ چراغ آتار جسم میں سے ہے، نیز قبروں کی
بے جا تعظیم سے بچانے کے لیے بھی روکا گیا ہے
جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے

اور قاضی شامی الشریانی پتی ۱۷ ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

قبر را زیبا و بلند کردن، و گنبد براف
ساختن و عیس و امثال چرامان کردن
بہ بدعت است، بعض از ان حرام است
بعض از ان مکروہ پیغمبر و شمع افزودن
نزد قبر و سجدہ گنبد کار لغت گفستہ۔

اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عیس
اور ان کے مانند چراغاں کرنا سب بدعت ہے،
ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ، پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے قریب شمع روشن
کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے

(ارشاد الطالبین ص ۱۱۲)

۱۷ مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا
۱۸ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

چادر پوشانیدن بر قبر کثرت لغو است نباید
کرد (تکذیبی عریزی ص ۱۲)

قبر پر چادر ڈالنا لغو کثرت ہے ایسی حرکت
نہیں کرنی چاہیے۔

اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ

داما ارتکاب بحرمات از روشن کردن چراغ انہا
و طبرس ساختن قبور و دھاد و فواضل معذ
بدعات شنیعہ اند، و حضور جنس مجالس ممنوع

اور حرام چیزوں کا ارتکاب مثلاً چراغ روشن کرنا
قبروں کو لباس پہنانا، گیت (توالیاں) اور بلجے
بجانا سب بدعات شنیعہ ہیں اور ایسی مجلسوں میں

جانا ممنوع ہے۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین ص ۱۱۱ معتباتی)

اور علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

وَكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول وخصصا على القبور ليس بشيء وانما السنة الغرض (عمدة القاری ص ۱۱۱)

گاڑنا ہے۔

علامہ عینی نے شاخ گاڑنے کو جو سنت کہا ہے، وہ ابن عباس رضی کی اس حدیث کی وجہ سے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی دو قبروں پر سے گزر ہوا جن میں عذاب ہو رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ حرا کو چیر کر دو حصے کئے، اور ہر ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابہ کرام رضی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹھنڈیا خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ، جب تک یہ ٹھنڈیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی، شارحین حدیث مختلف وجوہات بیان کی ہیں بعض حضرات کے نزدیک اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف عذاب کی دعا فرمائی تھی، آپ کی شفاعت شاخوں کے خشک ہونے تک قبول کر لی گئی، اس لیے آپ نے شاخوں کو گاڑا تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے اللہ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے، وان من شیء الا یستج بعصدا، اس لیے آپ نے شاخ گاڑی تھی، تاکہ ان کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف رہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مشکوٰۃ کی عربی شرح "لمعات التنقیح" میں مشہور حنفی فقیہ و محدث امام فضل اللہ نور پوری کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں کہ:

وقال التورپشتی: وجہ هذا العقد

ان يقال انه سأل التخفيف عنهما

امام تورپشتی نے فرمایا کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں

مدّة بقاء السداوة فیہما، وقول
من قال دجہ الکائن العن الوط یستج
لّٰہ مادام فیہ السداوة فیکون
معیّراً من عذاب القبر قولہ لا
طائل تحته ولا عبرة به عند اهل
العلم۔

کے ترہے تک ان قبروں سے تخفیف عذاب
کی شفاعت کی تھی۔۔۔۔۔ رہا بعض لوگوں
کا یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک
ترہو تو ہے بشر کی پاکی بیان کرتی ہے، پس
عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی، بالکل بے مقصد
اور بے فائدہ بات ہے، اور اہل علم کے نزدیک۔

اس کا کوئی اعتبار نہیں

(لمعات التنقیح ص ۲۷)

الماصل شارحین حدیث کے نزدیک پہلی توجیہ یہی صحیح ہے اور مسلم شریف کے آخر
میں احادیث متقرّنین حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں خود حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں کاٹنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے درخت کی شاخ منگوائی وہ پتھر سے
کاٹ کر لے آئے اور دریافت کیا کہ عترت اک یا رسول اللہ: یہ شاخ کیوں منگوائی گئی ہے؟
قال انی مررت بقبرین یعدّ بان فاحببت بشفا عتی ان یرفہ عنہما
مادام الغصنان وطین (۱۸۶ ص ۱۳ مصری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں دو
ایسی قبروں کے پاس سے گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا پس میں نے سفارش کی وجہ سے پسند
کیا کہ ان دونوں سے نرمی کی جائے جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں۔۔۔۔۔ اس
حدیث کی روشنی میں پہلی توجیہ متعین ہے دوسری توجیہ کے لیے کوئی وجہ ازا نہیں ہے، مگر تھوڑی
دیر کے لیے دوسری توجیہ کو صحیح مان لیا جائے تب بھی اس حدیث پھولوں کے ڈالنے کا جواز
ثابت نہیں ہوتا صرف شاخوں کے کاٹنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، یہی بدرالدین عینی رحمہ اللہ کے
قول کا مطلب ہے۔

لیکن آج جو مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ اس حدیث پر عمل کرنے
کے لیے نہیں، بلکہ قبروں کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لیے چڑھائی جاتی ہیں، اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پھول چڑھانے

کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے، نہ اس حدیث میں دھڑونگ ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے،
تعلیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم
ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جو اڑ کا فتویٰ نہیں دیا،
اس لیے اس کے بدعتِ سید ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو
مسلمانوں میں درآئی ہے۔

گیارہویں کا کھانا | ہر قمری ہینے کی گیارہویں رات کو عموماً اور ماہِ ربیع الثانی کی گیارہویں رات
کو خصوصاً حضرت محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی شیعہ، المشائخ حضرت شاہ
عبد القادر جیلانیؒ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ ”گیارہویں شریف“ کے نام سے مشہور ہے
اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر ذہن میں رہنی چاہیے۔

اول یہ کہ غوثِ پاک سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا وصال ۷۱۰ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے
کہ گیارہویں شریف کی رسم محبوب سبحانی کے وصال کے بعد ہی سے شروع ہوئی ہوگی، اور یہ بھی ظاہر
ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ اور ائمہ ہدٰیؒ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ
اور خود پیرانِ پیر اپنی گیارہویں نہیں دیتے تھے، پس جس عمل سے اسلام کی کم از کم کچھ صدیاں خالی
ہوں، اسے دینِ اسلام کا جز تصور کرنا، اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دینا کیوں کر صحیح
ہو سکتا ہے؟

دوم یہ کہ اگر گیارہویں دینے کا مقصد حضرت غوثِ اعظم کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانا
ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت مبارک ہے، لیکن جس طرح گیارہویں شریف دینے کا رواج ہے
اس میں چند خرابیاں ہیں۔

پہلی خرابی یہ کہ شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت اور دن مقرر نہیں فرمایا
اور یہ لوگ گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا یہی خدائی شریعت ہے
ان کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں بلکہ ان کے نزدیک
یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔

الغرض ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضولِ حرکت ہے

شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور اس کو ضروری سمجھ لینا خدا اور رسول کے مقابل میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کبیر ہی پکا ئی جائے، حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہو تا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جاسکتی تھی اور احنی مالیت کا غلام یا کراہی مسکین کو چھکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا اور یہ عمل نام و نمود اور ریا سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہِ خداوندی بھی ہوتا، کبیر پکانے اور کھانا تیار کرنے ہی کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری سمجھنا، اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب نہیں ہوتا یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ثواب تو صرف اتنے کھانے کا لے گا جو فقراء و مساکین کو کھلایا جائے مگر گیارہویں شریف کا کھانا پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا لیتے ہیں، یا اپنے احباب و عزیز کو کھلا دیتے ہیں، فقراء و مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکا یا گیا اتنے کا ثواب حضرت پیرانِ پیر کو پہنچ جاتا ہے، یہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو کھانا خود کھالیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیرانِ پیر کے ایصالِ ثواب سے اسکو کچھ تعلق ہے، پھر اس میں برکت کہاں سے آئی؟ اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب امید ہے کہ پہنچے گا، مگر اس کا کھانا فقر اور مساکین کے لیے جائز ہے، مالداروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

پانچویں خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں شریف زدینے سے ان کے جان و مال میں نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے گویا سنا ز روزہ، رزق، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جس کا شریعت میں اور فقہ حنفی میں کوئی ثبوت نہ ہو جب

اس کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے، اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو، تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟

الحاصل حضرت پیران پیر یا دوسرے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرنا سعادت مند کی ہے مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا اعتراضوں کی وجہ سے ناجائز اور بدعت ہے۔

(۷) گیارہویں کا جشن | اس طرح جاہل مسلمان ہر سال ۱۰ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں کے نام سے جو یوم وفات مناتے ہیں اور اپنے گھر وں اور مسجدوں میں روشنی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں وہ کبھی بلاشبہ بدعت اور گمراہی ہے، وفات کے دن خوشیاں منانا محبت کی علامت نہیں، عداوت کی نشانی ہے

(۸) کھانے پر فاتحہ | بعض لوگ ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا دیتے ہیں، اس پر مولوی صاحب سے کچھ پڑھواتے ہیں، اس کو بعض لوگ فاتحہ شریف، اور بعض لوگ، ختم شریف، کہتے ہیں، بادی النظر میں یہ عمل اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں بھی چند تباہیاں ہیں۔
اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عظام اور سلف صالحین میں ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ رائج نہیں تھا، اس لیے بلاشبہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

دوم: جاہلوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے، میت کو ثواب نہیں پہنچتا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، نہ سلف صالحین نے اس پر عمل کیا اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں،

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہل سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو بے ادبی کہا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۷ کے فتاویٰ میں ہے۔

سوال: کوئی شخص کلام اللہ یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضاے حاجت کی جگہ پڑھے، انود بالشر۔

جواب: ایسا کہنا درست نہیں، بلکہ سوراہی ہے اس اگر ایسی جگہت کہ درجوں ایسا خواندن سوراہی است مضائقہ ندارد (فتاویٰ عربی ص ۹۵) ادبی ہے، تو مضائقہ نہ ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ اس جواب سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت پڑھنا سوراہی ہے، اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اور فتاویٰ سرقندیہ میں ہے قراءۃ المأثقة والإخلاص والکافرون علی الطعام بدعۃ سورہ فاتحہ سورہ اخلاص اور سورہ کافرون کھانے پر پڑھنا بدعت ہے (بجوار الجملہ لاہل السنۃ ص ۱۷۸)

چہارم: مولوی صاحب کو بلا کر کھانے پر جو ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں، اگر مولوی صاحب ختم نہ پڑھیں تو وہ کھانے سے محروم رہیں، اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو مولوی صاحب ختم پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، گویا مولوی صاحب کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں، حالانکہ قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضہ کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے خالی ہوتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لیے گیا تھا کہ وہ ثواب لے گا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ثواب بھی جاتا رہا، بلکہ نیکی برباد گناہ لازم والا معاملہ ہو گیا۔

پنجم: بعض جگہ اس رسم کی پابندی اس قدر کی جاتی ہے کہ جب تک کھانے پر ختم شریف نہ پڑھا جائے، کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی، کبھی مولوی صاحب کے آنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی جملہ رہیں

ان قباحتوں کی بنا پر کھانے پر فائز خوانی، یا قرآن خوانی کی رسم ناجائز اور بدعت ہے، تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کو کھا سکتے ہیں۔

(۹) تہجہ، ساتواں اور چالیسواں کرنا

بزرگان دین، عزیز و اقارب اور احباب جو وفات کے لیے دعا و استغفار پاپے ہیں یا حیات میں ان کے لیے دعا و استغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا، اور بلا اجرت قرآن شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا اسی طرح نفل نماز، روزہ، حج اور قربانی وغیرہ عبادتوں کا ثواب کسی مسلمان کو بخشنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مندوب ہے لیکن ایصالِ ثواب کے لیے شریعت نے دلوں اور تارکوں کی کوئی تعین و تخصیص نہیں کی ہے اس لیے اپنی طرف سے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن مقرر کرنا اور اس کو فرضی سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔

اسی طرح اپنے کسی عزیز و قریب کی وفات کے دن یا تیسرے دن، ساتویں دن، دسویں دن اور چالیسویں دن اہل میت کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دعوت کی جاتی ہے وہ بھی بدعت قبیحہ ہے، فتاویٰ بزازیہ میں ہے

دیکر منہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول و الثالث بعد الاسبروع، (بحوالہ اشاعی ص ۱۶۶) اہل میت کا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتے کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

قاضی ثناء الشریانی پتی رحمہ اللہ وصیت نامہ میں اپنے عزیز و اقارب کو وصیت فرماتے ہیں کہ وہ دم و دین من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسی، بیچ نہ کنند (بالبدن ص ۱۴۵) میری وفات کے بعد دنیوی رسوم مثلاً دسواں بیسواں چالیسواں ششماہی اور برس کچھ نہ کریں۔

اور رضا خان عالم مولوی امجد علی، "بہار شریعت" میں لکھتے ہیں کہ

"میت کے گھر والے تہجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعت قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غمی کے وقت"

(بہار شریعت ص ۱۵۵ حصہ چہارم)

(۱۰) نماز جنازہ کے بعد دعا

نماز جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے اجتماعی طور پر دعا کرنا اور اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے، علامہ سراج الدین حنفی فرماتے

اذا فرغ من الصلوة لا يقوم بالدعاء
(فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳)

اور فتاویٰ بزازیر میں ہے کہ

لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنائز
لانہ دُعَا مَرَّةً (فتاویٰ بزازیر ص ۲۳)

اور علامہ ابن نجیم حنفیؒ فرماتے ہیں کہ

ولا يدعوا بعد التسليم (المعجم للفقہ ص ۱۸۳)

حضرت ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں کہ

ولا يدعوا للميت بعد صلوة الجنائز

لانہ يشبه الزيادة في صلوة الجنائز

(مرقات ص ۳۷)

جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا
کے لیے نہ ٹھہرے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے، اس
لیے کہ ایک دفعہ (نماز جنازہ میں) دعا کر چکا ہے۔

سلام پھرنے کے بعد دعا نہ کرے۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے
کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا ممنوع اور مکروہ ہے اور مکروہ

کو مستحسن سمجھنا بدعت ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ

مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایات است

چہ حرام را مباح دانستن نیز کفر است، و مکروہ را حسن

پنداشتن یک مرتبہ از ابا یا اس است، شاعتہ اس فعل

را نیک ملاحظہ بایزود۔

(مکتوبات مجدد الف ثانیؒ حصہ پنجم ص ۷)

رضا خانی مغالطہ مفتی احمد یار خاں، منتخب کنز العمال، کے حوالہ سے اور مولوی محمد عزیز علیؒ

رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کی نماز جنازہ پڑھائی، تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی، اور فرمایا
کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(جوار الحق ص ۲۳۳ اور مقیاس حقیقت ص ۲۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی
ابراہیم بصری ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے تفصیل کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب ص ۱۶۵
علاوہ ازیں یہ نازخنازہ کے بعد دالی دعا نہیں ہے، بلکہ جو تھی تکبیر
اور سلام پھرنے کے درمیان کی دعا ہے، اور حضرات شوافع کا اس پر عمل ہے، امام نووی
لکھتے ہیں :

روایۃ کثیراً أربعاً فصحت ساعة
حتى ظننت انه سيكبر خمساً شو
سئل عن يمينه وعن شماله
رياض الصالحين ص ۳۹۹ اور
كتاب الاذكار ص ۱۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی
اوی رضی اللہ عنہ نے جو تھی تکبیر کی، پھر تھوڑی
دیر ٹھہرے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ
پانچویں تکبیر کریں گے مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں
سلام پھیرا۔

اور امام بیہقی نے اس روایت پر یہ باب قائم فرمایا ہے : باب ما روي في الاستغفار
للصلاة والدعاء ما بين التكبير الرابعة والسلام (سنن کبریٰ ص ۴۴۴)
مگر احناف نے اس روایت کو ضعیف ہونے کی وجہ سے معمول نہیں بنایا، درمختار
میں ہے ویسئلو بلاد ماء بعد الرابعة (اور جو تھی تکبیر کے بعد دعا کیے بغیر
سلام پھیرے) اور علامہ شامی بلاد عایہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

قوله بلاد ماء هو ظاهر المذهب
وقيل يقول الله هو آتنا في الدنيا
حسنة الخ وقيل: ربنا لا تزغ
قلوبنا الخ وقيل يخيب بين
السكوت والدعاء
یظاہر مذہب ہے، اور بعض حضرات نے
کہا کہ اللهم آتنا في الدنيا حسنة الخ
اور بعض حضرات نے کہا کہ ربنا لا تزغ
قلوبنا الخ پڑھے اور بعض حضرات نے کہا
اختیار ہے چاہے خاموش رہے یا دعا
کرے۔

(شامی ص ۵۸۵ ج ۱)

نوٹ : رضا خانیوں کے مزید مغالطوں اور ان کے جوابوں کے لیے دیکھیے حضرت
مولانا محمد سر فراز خاں صفدر کی کتاب ”راہ سنت“ جس کا عربی نام المنہاج الموفق

ہے یہ کتاب بدعاتِ مردجہ کی تردید میں عمدہ کتاب ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱۱) جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا | جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ پڑھنا، ذکر کرنا یا قرآن شریف پڑھنا بھی بدعت ہے، حافظ ابن کثیر طبرانی کے حوالہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ، عِنْدَ تَلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعِنْدَ الزَّحْفِ وَعِنْدَ الْجَنَازَةِ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۷-۱۷۸) بیشک

اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

كَانَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ: الْجَنَازَةِ وَالْقِتَالَ

والذکر (السیر الکبریٰ مع شرح السرخسی ص ۱۷۹) اور البحر الرائق ص ۵۶۷
یہ روایتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ پڑھنا یا اور کوئی ذکر کرنا مکروہ ہے، چنانچہ فقہائے احناف نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن پاک پڑھنا اور کلمہ حیّیّ یموت (ہر زندہ مرنے والا ہے) کے غرے لگانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَعَلَى مَتَبَعِي الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ، وَيُكْرَهُ لَهُمُ وَفَعِ الصَّوْتُ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ (عالمگیری ص ۱۷۸ مصری)

اور امام سراج الدین اودوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم

وقولہم کل حیۃ یصوت و یغویذ لک
خلف العجازۃ بدعۃ (تادئ لہم یستجیزون لک)
اور علامہ ابن تیمیہ حنفی البحر الرائق میں ارقام فرماتے ہیں کہ

رَیْبُغِی لَمَنْ تَبِعَ الْعِجَازَۃَ اِنْ یَطِیْلُ
الصَّمْتُ، وَ یُکْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالْفُکْرِ
وقراءة القرآن وغیرہما فی العجازۃ
والکرامۃ فیہا کرامۃ تحریر
(المجملہ الثالث ۱۹۷)

(۱۳) قبر پر اذان دینا
میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا خلاف سنت اور بدعت ہے
شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
اذان دادن بر قبر بعد دفن کردہ است کہ مہر و از
از سنت نیست (۱۵ مسائل ۵۵)

اور علامہ ابن عابدین شامی ارقام فرماتے ہیں کہ
لَا یُحْسِنُ الْاِذَانَ عِنْدَ ادْخَالِ الْمِیْتِ
فِی قَبْرِہَا کَمَا صَوَّ الْمَعْتَادِ الْاَن وَقَدْ
صرح ابن حجر فی فتاواہ بامانہ
بدعۃ، و قَالَ رَمَنْ ظَنَّ اَنَّهُ سُنَّةٌ
قیاماً علیٰ ندبہما للمولود العائلاً
لعائتہ الامر با بتدائسہم فلو
یصیب -

دشامی ص ۱۰ کتاب الجنائز
اور مجلس ابراہیم ہے کہ :

”جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو، اور کوئی مانع

پڑھا اور یہ کہنا کہ ”ہر زندہ مرنے والا ہے“
وغیرہ بدعت ہے۔

جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں ان کے لیے
مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کریں، اور
جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم
پڑھنا اور ان دونوں کے علاوہ کچھ اور بلند آواز
سے پڑھنا کردہ تحریر ہے۔

میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان کہنا
سنون نہیں، جیسا کہ اب اس کا رواج ہو چکا ہے
اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ
بدعت ہے، اور کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود
بچے کے کان میں اذان و اقامت کے مستحب ہونے
پر قیاس کر کے اور اختتام امر کو ابتدائے امر کے
ساتھ لاحق کرتے ہوئے اذان قبر کو سنت خیال کیا
ہے اس نے غلطی کی ہے۔

بھی نہ ہو اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہو، تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے، کیوں کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور کرتے یا ترغیب دیتے لیکن جب آپ نے نہ خود کیا، نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ ایسی کوئی مصلحت نہیں، بلکہ وہ بدعت قبیحہ اور سیئہ ہے، اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے، چنانچہ حب بعض سلاطین نے اسکو ایجاد کیا تو علماء نے اس کو منکر سمجھا، اور اس کے کمرہ ہونے کا حکم لگایا۔ (مجالس الابراہیم علیہ السلام فی اقسام البدع والحکماہ) ٹھیک یہی حال قبر پر اذان دینے کا ہے، کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا سبب اور محرک (یعنی میت کی تدفین) موجود تھا، اور کوئی مانع بھی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ قبر پر اذان دینے کا حکم دیا نہ ترغیب دی، پس اس کے بدعت قبیحہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت مولانا محمد منظور صاحب لغمانی دامت برکاتہم کا رسالہ ”امعان النظر فی اذان القبر“، جس میں اس مسئلہ کے علاوہ بدعت کے متعلق نہایت نفیس اصولی بحث بھی کی گئی ہے۔

(۳) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

محمّد رسول اللہ کہتا ہے تو بعض لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل چیز ہے خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی ”ابراہیم المقال“ میں لکھتے ہیں کہ:

”اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت نہیں، جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے، یا اس کو مسنون و مؤکد جانے، یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔“

(ابراہیم المقال ص ۱۲)

(۱۴) نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر فجر، عصر، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے وہ بدعت مذمومہ ہے، شرعی میں ہے :

تكره المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال، لان الصحابة رضی اللہ عنہم مصافحوا بعد اداء الصلوة، ولا نهي من سنن الروافض شوقيل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لها في الشرع وانه يذنب فاعلمها ولا ريعر رثاننا شرع قال وقال ابن العجاج من المالكية في المجلد انهما من البدع، وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم ولا خيه، لا في اذ بار الصلوات، فغيث وضعها الشرع يضعها، فينهى عن ذلك ويحجر فاعلمها لما اتى به من خلاف السنة.

(شامی ص ۲۷۷) کتاب العظمر والاباحة باب الاستبراء وفيه (نیز شامی جلد اول میں ہے :

نماز پڑھنے کے بعد ہر حال میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھنے کے بعد مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ ردافض کا شیوہ ہے۔

اور علامہ ابن حجر شافعی سے نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنے والے کو اولاد تنبیہ کی جائے گی، اور ثانیاً اس کو سزا دی جائے گی، اور ابن الحاج مالکی نے مدخل میں فرمایا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اور شریعت میں مصافحہ کرنے کا محل صرف مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت ہے نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے اور نماز کے بعد مصافحہ کرنے سے روکا جائے گا اور زہرہ دتوبیج کی جائے گی، کیوں کہ وہ سنت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

وقد مرّح لبعض علما ثنائوا فيهم
بكرامة المصافحة المعتادة عقب
الصلوات مع ان المصافحة سنة
وما ذاك الا لكونها لعل وتشرفي
خصوص هذا الموضع فالموافقة
عليها فيه توصو العوام بانها سنة
فيه (شامی ص ۱۷۰)

ہمارے بعض علماء اور دیگر حضرات نے تصریح
فرمائی ہے کہ نمازوں کے بعد مرد و جماعتی مکروہ
ہے، باوجودے کہ اصلی مصافحہ سنت ہے، اور
اس کی وجہ یہی ہے کہ بالخصوص اس موقع پر مصافحہ
کرنا مستقول نہیں ہے، پس اس پر مداومت
کرنے میں عوام کو غلط فہمی ہوگی کہ اس وقت بھی
مصافحہ کرنا سنت ہے

اور حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:
مشرع مصافحہ کا محل اول ملاقات ہے اور بعض لوگ مصافحہ کیے بغیر ایک دوسرے
سے ملتے ہیں، اور کافی دیر تک ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں، اور علم وغیرہ کا مذاکرہ
کرتے ہیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، اس کا سنون مصافحہ
سے کیا تعلق؟ اسی لیے ہمارے بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اس وقت مصافحہ کرنا
مکروہ ہے اور مذموم بدعتوں میں سے ہے، _____ ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں
ایسے وقت میں پہنچا کہ لوگ نماز میں تھے، یا نماز شروع کرنے والے تھے، تو نماز کے بعد
ان سے مصافحہ کرنا سنون مصافحہ کے قبیل سے ہے لہذا ہر حال مسئلہ یہ ہے (لیکن اس
کے باوجود اگر کوئی شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو ایسا ہاتھ کھینچ کر ایسی شکل پیدا نہیں
کرنی چاہیے کہ اس کو ریج و تکلیف اور شکایت ہو (مرقات ص ۱۷۰ باب المصافحہ و المعالقات)
(۱۵) نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بعض مساجد میں لوگ نمازوں کے بعد
میں سر ملا کر اپنی آواز سے کلہ شریف یا درد شریف پڑھتے ہیں، اور اس کو دین کا اہم شعار
سمجھتے ہیں، جو ایسا ذکر ہے وہ ان کے خیال میں وہابی ہے حالانکہ یہ سنت نبوی اور مطلوب
شرعی کے سراسر خلاف اور بدعتِ شنیعہ ہے۔ فتاویٰ بزاز یہ میں سے:
رفع الصوت بالذكر حرام وقد صح بحد آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت عبداللہ

من ابن مسعود رضی اللہ عنہ سمع قوماً
اجتمعوا فی مسجد یہتلون و
یقولون علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
جہراً، فراح الیہم فقال: ما
عمہد ناذلک علی مہد علیہ السلام
ولا اراکم لامبتدعین، فمازال ید
ذلک حتی اخرجہم من المسجد
(بزاز بر معارفنا دئی عالمگیری صفحہ ۲۷ ج ۶)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح سند کے ساتھ
منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع
ہو کر بلند آواز سے کھڑکیہ اور ورد شریف پڑھتے ہیں
آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیز
نہیں دیکھی، میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، آپ
بار بار یہ بات کہتے رہے، یہاں تک کہ ان کو
مسجد سے نکال دیا۔

اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ

ونقل ابن بطال وأخرون أن اصحاب
المذاهب المتبوعة وغيرهم
متفقون على عدم استحباب رفع
الصوت بالذكر والتكبير (مسلم شریف صفحہ ۲۷ ج ۲)

ابن بطال اور دیگر علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ
مذہب اربعہ کے اصحاب اور دیگر حضرات سب
اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا
اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ صرف احناف بلکہ تمام مقلدین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے
ہاں ابن حزم ظاہری جو غیر مقلدین کے امام اور پیشوا ہیں وہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر
کرنے کو مستحب کہتے ہیں، دیکھئے شرح مسلم صفحہ ۲۷ ج ۱

(۱۷) نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا بعض مساجد میں یہ رواج ہے کہ لوگ سنن و نوافل

پڑھتے ہیں، جب سنن و نوافل سب فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا کرتا ہے، اور لوگ اس
پر آمین کہتے ہیں۔ لوگوں کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے خلاف ہے، عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی
اللہ عنہم سنن و نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر یا کمر سنن و نوافل ادا فرماتے تھے، حضرت کعب
بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنوعبدالاشہل کی سہ
میں آئے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی ،
جب لوگ فرض نماز ادا کر چکے تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرض نماز کے بعد
سنن ووافل پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس نماز
کو گھر میں پڑھنے کا التزام کرو۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ان مسجد بنی عبدالاشہل
فصلی فیہ المغرب فلما قضا
صلوۃ ہجر اھو یتسبحون بعدھا
فقالت ہذا صلوۃ البیوت روا لا
ابوداؤد ، دنی روا ۱۰ الترمذی

والنسائی قام ناس یتسفلون فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
علیکم فی ہذا الصلوۃ فی البیوت (مشکوٰۃ مثلاً باب السنن)
اور عطا تابعی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ میں جمعہ کی نماز
پڑھتے تو اپنی جگہ سے اگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے ، پھر اور آگے بڑھ کر چار رکعت ادا فرماتے
اور جب مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور
گھر جا کر پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھتے ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ
ایسا کیوں کرتے ہیں ، تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے
(حوالہ سابق)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت مبارکہ
یہ تھی کہ سنن ووافل گھر میں ادا کرتے تھے ، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے ، ظاہر ہے کہ اس
صورت میں سنن ووافل کے بعد اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، کیوں کہ گھر میں
سنن ووافل پڑھ کر مسجد میں واپس آنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے ،

اور کبھی کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں سنن و
وافل ادا فرماتے تھے ، تب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے ۔ دعا
ثانی کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے ، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءة فی الرکعتین بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القراءة فی الرکعتین بعد
دو رکعت میں اتنی لمبی قرات کرتے تھے کہ اہل

مسجد منشر ہو جاتے تھے۔

المغرب حتی یتفرق اصل المسجد

(ابوداؤد ص ۱۸۴ ج ۱ باب رکعتی المغرب)

اور حضورؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر رہا، تو آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر عشاء کے بعد نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں آپؐ کے سوا کوئی نہ رہا (شرح معانی الآثار ص ۲۰۲ ج ۱ باب التطوع فی المسجد)
ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سنن دلائل کے بعد دعائِ ثانی کے لیے بیٹھے رہنا، اور سنن دلائل سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت نہیں ہے، اور جو کام سنت سے ثابت نہ ہو اس کا التزام اور اس کی ضروری سمجھا بدعتِ ضلالہ ہے، اس لیے سنن دلائل کے بعد اجتماعی دعا اور سابقہ تمام بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

خلاف پیغمبرؐ سے رہ گزیدہ کہ ہرگز بمنزلِ خواہر رسید
پسندار سعدی کہ راہ صفا تو او رفت جز بر پے مطہف

ترجمہ: جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راہ اختیار کی، وہ ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچے گا، سعدی: یہ خیال مت کر دو کہ سیدھی راہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کیے بغیر حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین، وصلى اللہ على النبى الکریم -

Syed Shaukat Ali

16/07/06

باب ۱۶
چھٹا محاضرہ علمیہ
بر موضوع



پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالپوری

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۸	حضرت نانوتوی قدس سرہ پربہتان	۳	محاضرہ کا موضوع
۱۹	۱ پہلا بہتان کہ آپ ختم نبوت زمانی کے حکم میں	۳	حضرت شاہ اسماعیل شہید پربہتان
۲۳	تہبید جواب	۵	۱ پہلا بہتان کہ شاہ صاحب آنحضرت کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں
۲۵	جواب	۵	جواب
۲۶	خاں صاحب کی خیانت	۷	۲ دوسرا بہتان کہ آنحضرت مر کر مٹی ہو گئے
۲۶	۲ دوسرا بہتان کہ اعمال میں اتنی انبیاء کرام سے بڑھ جاتے ہیں	۷	جواب
۲۷	جواب	۹	۳ تیسرا بہتان کہ شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کو چھوڑے ہمار کہا ہے
۲۸	حضرت گنگوہی قدس سرہ پربہتان کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں	۱۱	جواب
۲۸	جواب	۱۱	ایک اہم ضابطہ
۳۰	حضرت سہارنپوری پربہتان کہ معاذ اللہ! ان کے نزدیک شیطان کا علم آنحضور کے علم سے زیادہ ہے	۱۱	۴ چوتھا بہتان کہ شاہ صاحب نے تمام انبیاء و اولیاء کو چار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے
۳۰	تہبید جواب	۱۲	جواب
۳۱	تفصیلی جواب	۱۳	۵ پانچواں بہتان کہ نماز میں آنحضور کی طرف خیال بھانا گمراہی اور میل کے خیال سے بدرجہا بدتر ہے
۳۳	مشکت جواب	۱۳	تہبید جواب
۳۶	ایک دوسرا کا ازالہ	۱۵	جواب
۳۸	حضرت تھانوی پربہتان		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۱	نبوت کے دعوے دار ہیں اور ان کے مہمندان کا کھڑے پڑھتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں	۳۸	① پہلا بہتان کہ معاذ اللہ! ان کے نزدیک غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اکرم کو ہے ایسا تو ہر کچ اور پانگل بلکہ ہر جھوٹا اور چوہائے کو بھی حاصل ہے
۳۲	تنبیہ جواب	۳۸	جواب
۳۳	جواب	۳۱	② دوسرا بہتان کہ حضرت تھانویؒ
۳۶	کسی مسلمان کو کافر کہنے کا انجام		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَلِّیْ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ !

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے حاسدین نے امام صاحب کو بدنام کرنے کے لئے جس طرح انکی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر مہم جوئے کا الزام لگایا تھا، اسی طرح مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے متبعین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم دیوبند کو بدنام کرنے کے لئے ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند — نوذبات — اللہ جل شانہ کو جھوٹا کہتے ہیں، اور رسید المسلمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ اکابر کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں وہ ان اکابر کے نزدیک بھی کفر ہیں۔ اور اکابر کی جن عبارتوں سے رضا خانی کفریہ عقائد منترجع کرتے ہیں ان کا صحیح مطلب بار بار بیان کیا جا چکا ہے، لیکن اس کے باوجود آج بھی رضا خانی ان کفریہ عقائد کی نسبت اکابر کی طرف کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کی عبارتوں کا غلط مطلب بیان کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے اس محاضرہ میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم دیوبند کی ان عبارتوں کا صحیح مطلب پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ جان لیں کہ حضرت شاہ شہیدؒ اور اکابر دارالعلوم کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، ان سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

حضرت شاہ شہید پر مہتان

آپ کا اسم گرامی اسماعیل ہے آپ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب (متوفی ۱۲۲۶ھ) کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۲۷۷ھ) کے پوتے ہیں، آپ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۸۳۶ء بوقت ظہرؒ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے

جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، بالا کوٹ کے عقب میں ایک پہاڑی نالے کے قریب بلند ٹیلے پر آپکی

قبر ہے۔ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید پر ایک بہتان یہ لگایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جتنی تعظیم و تکریم اپنے
بڑے بھائی کی کرنی چاہئے۔ اتنی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرنی چاہئے، اس میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے

خانصاحبؒ کی "اعلام الاعلام" ہندوستان دارالاسلام میں چند فرقوں کے نظریات بیان
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

.. اس کی خباثت قلبی تو بہین شان رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل
الصلوٰۃ والسلام پر باعث ہو کہ حضور کو اپنا بڑا بھائی بتائے، (ص ۱۸) آخر میں لکھتے ہیں کہ "یہ سب
فرقہ بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں، (ص ۲۳)

جواب | حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شرک و بدعت کی تردید میں ایک معرکہ الاراکننا
"تقویہ الایمان" ہے جو اردو میں ہے اور نہایت آسان ہے، اسی کتاب کی ایک عبارت سے
رضا خانیہ کفر پر مضمون نکال کر حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے
سبلے تقویہ الایمان کی پوری عبارت بعینہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

تَرْجُمَةُ مَشْكُوَةِ الْبَابِ عَشْرَةِ النِّسَاءِ
لُكَّاهُ بِرَبِّهِ كَمَا اَمَّا اَحْمَدُ ذَكَرَ كَيْفَ نَبِيُّنَا عَائِشَةُ رَضِيَ
ذَكَرَ كَيْفَ سَيِّدِ خَدَا مَاجِرِينَ اَوْرَا نَصَارَ مِثْلُ
تَحْلُ كَرَّ اَيَا اِيَكِ اَوْنُ، بَحْرُ اسْنِ سَجْدَ كَيْفَ بَغِيرِ
خَدَا، سَوَانُ كَيْفَ اصْحَابُ كَيْفَ لُكَّاهُ كَيْفَ بَغِيرِ خَدَا
تَمَّ كُو سَجْدَ كَرْتِ هُنَّ جَانُورَ اَوْرَا دَرْخَتِ سَوَهْمُ كُو
مَضْرُورَ جَاهِنُ كُو تَمَّ كُو سَجْدَ كَرْنِ، سَوَفَرُ بَايَا كُو نَبْدُ كِي
كُرَا پَنِي رُبُ كِي اَوْرَا تَعْلِيمُ كُرَا پَنِي بَهَائِي كِي،

اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي لَيْلٍ
مِنَ الْمَهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ عَجَاةً يُعْبَرُ سَجْدُ
لَهُ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَسْجُدُ
لِلْعَجَاةِ ثُمَّ تَسْجُدُ لِنَفْسِكَ أَمْ أَنْ تَسْجُدَ
لَكَ، فَقَالَ عَبْدُكَ وَارْتَبَلَهُ ذَاكُمُورَا أَخَاكُمْ
دِ مَشْكُوَةِ شَرِيفِ بَابِ عَشْرَةِ النِّسَاءِ

ص ۲۸۳ فصل ثالث

فائدہ :- یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے، سوساں
کی بڑے بھائی کی سنی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہئے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، اہل ایمان و اہل زادہ، پیرو شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندہ ہیں وہ سب انسان ہی ہیں، اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فزاں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں سو انکی تعلیم انسانوں کی سہی کرنی چاہئے نہ خدا کی سہی (تقویۃ الامان ص ۸۸ و ص ۸۹ راشد کینی دیوبند) اس عبارت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی نہیں کہا، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَلْمَوْلَا اَخَاکَ (اپنے بھائی کی تعلیم کرو) شاہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ارشاد کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ تمام انسان نفس انسانیت و بشریت میں چونکہ شریک ہیں اس لئے تمام انسان آپس میں بھائی ہیں۔ اور جو انسان میں بڑا بزرگ ہے، وہ انسانی ناطے اور بشری اخوت کے اعتبار سے بڑا بھائی ہے، اس لئے اس کی بڑے بھائی کی سہی تعلیم کرنی چاہئے، یعنی بڑے سے بڑے انسان کی بھی ایسی تعلیم کرنی چاہئے جو انسانی تعلیم کے دائرہ میں ہو۔ اس کی ایسی تعلیم نہیں کرنی چاہئے جو خدائی تعلیم کے مشابہ ہو۔

الحاصل شاہ شہیدؒ نے اس فائدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی توجہ فرمائی ہے، آپ کو نبی بھائی نہیں قرار دیا، بلکہ بشری اخوت کے اعتبار سے بھائی کہا ہے۔ لیکن رضا خانی شاہ شہیدؒ کی اس عبارت کا مطلب اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اور انسانی بھائی کے بجائے نبی بھائی مراد لیتے ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ شاہ صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف نبی بھائی چہنا تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ صریح بہتان ہے، شاہ صاحب کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شاہ صاحب تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑے سے بڑے انسانی بھائی کی سہی تعلیم کیجئے، مگر خدائی سہی تعلیم نہ کیجئے۔

نیز ہر گفتگو کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و فضائل بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعلیم و تشریح سے لوگوں کو روکنے مقصود ہے۔ جو انسانی تعلیم کے دائرہ سے بالاتر ہو، اس لئے یہاں شاہ صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و فضائل کو ذکر نہیں کیا، بلکہ پورا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعلیم نہیں کرنی چاہئے جو خدائی تعلیم کے

شاہ ہو، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مراتب و فضائل کا انکار کرتے ہیں۔ اور آپ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کا عقیدہ اس سلسلہ میں وہی ہے جو کام اہل سنت والجماعت کا ہے، چنانچہ آپ تقویۃ الایمان کے ص ۵۲ پر اتمام فرماتے ہیں کہ،

”سوائی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ

سب سے بڑا ہے۔“

اس تصریح کے بعد بھی یہ کہنا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں۔ سراسر بہتان اور صریح ظلم نہیں تو کیا ہے؟

خاں صاحب بریلوی اور ان کے متبعین حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ پر دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ میں

دوسرا بہتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کی ہے کہ آپ وفات پانے کے بعد قبر میں مٹی ہو گئے ہیں، حالانکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجساد کو کھائے، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (حدیث) خاں صاحب بریلوی ”الکوئبۃ الشہابیہ“ میں لکھتے ہیں کہ ”تقویۃ الایمان ص ۵۸“ حدیث تو یہ کبھی اُذْ اُنْیْتُ قَوْمٌ رَدَّتْ بِغَيْرِیْ اَلَمْ تَرَ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ خود ہی اس کا ترجمہ یوں کیا کہ ”بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سمجھ کرے تو اس کو؟“ آگے گستاخی کی رگ اُچھلی جھٹ آفت کی

دف، فائدہ کھ کر یہ جڑ دیا یعنی میں بھی ایک دن مرمٹ میں ملنے والا ہوں۔ اس کے حافی اس کے پیرو ایمان سے بتائیں یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ لفظ حدیث کہ اگر تو میری قبر پر گزرے، کہاں یہ فائدہ حیثیت کہ مرمٹ میں ملنے والا ہوں، کیوں یہ کیسا کھلا ہوا فخر ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر..... ہمارے بنی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (الکوئبۃ الشہابیہ ص ۲۷) پھر آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں: وہابی صاحبو! تمہارے پیشوا نے ہمارے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کیسی صریح گستاخی کی!!

جواب | پہلے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت دیکھئے!

اَخْرَجَ الْبُورْهُدُودُ عَنْ فَيْضِ مَنْ سَمِعَهُ قَالَ تَرْجُمُهُ: مشکوٰۃ کے باب عشرۃ الناس میں لکھا

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
لَهُمْ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَعِنِّي أَنْ يُجِدَّ لَكَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ (إِنِّي أَتَيْتُ الْجَنَّةَ
فَرَأَيْتُهُمْ يُجَدُّونَ لِرَبِّهِمْ قُلْتُ فَأَنْتَ
أَعِنِّي أَنْ تُجَدَّ لَكَ فَقَالَ لَا أَدْرِي
وَمَنْ دَعَا لَكَ تُجَدَّ لَكَ فَقُلْتُ لَا
قَالَ لَا تَفْعَلُوا

(مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ السنن ص ۳۳۳ فصل ثالث)

گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو کہا میں نے نہیں فرمایا تو مت کرو۔

فائدہ

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ ذمے کبھی کسی زندہ کو نیچے نہ کسی مردہ کو نہ کسی قبر کو کیجئے نہ کسی تھان کو کیوں کہ جو زندہ ہے سو ایک دن مرنے والا ہے، اور جو گیا سو کبھی زندہ تھا، اور بشریت کی قید میں گرفتار، پھر مر کر خدائیں بن گیا ہے، بندہ ہی بندہ ہے۔ (تقویۃ الايمان ص ۳۳۳ و ص ۳۳۴ راشد کینی دلو بند)

رضا خانیوں کے مذکورہ بالا اعتراض کا مدار شاہ صاحب کے اس جملہ پر ہے کہ ”میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں“ حالانکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بھی مٹی ہو جائیگا جس طرح اکثر مردوں کا جسم مٹی ہو جاتا ہے، بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مٹی میں مدفون ہونے والے ہیں، اور آپ کا جسم اطہر مٹی سے متصل اور ملنے والا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ وفات کے بعد زیر زمین رو خدا قدس میں آرام فرما رہے ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم،

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے کسی نے تقویۃ الايمان کی مذکورہ بالا عبارت کے بارے میں استفسار کیا تھا، تو حضرت نے درج ذیل جواب ارقام فرمایا ہے مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے، جیسا کہ سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے

الجواب

ملاق و متصل ہو جانا، یعنی مٹی سے مل جانا، تو یہاں مراد دوسرے معنی میں، اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں، چونکہ مُردے کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کرتی ہے اور پتے مُردے کی مٹی سے جسدت کفن ملحق ہوتا ہے، یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے، کچھ اعتراض نہیں، واللہ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ د قنوائی رشیدیہ ص ۹ جلد ۱

تیسرا بہتان

رضا خانیوں نے شاہ صاحب پر تیسرا صریح بہتان یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں حضرات انبیاء کرام اور اولیائے عظام کو جو ہڑے چار کہا ہے اس میں انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی کھلی توہین ہے، خان صاحب بریلوی "الکوثر الشہابیہ" میں لکھتے ہیں۔

تقویۃ الایمان، پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا مشرک ہے، ثبوت سنئے! ص ۱ ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا، تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے نام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا، اور کسی جو ہڑے چار کا تو ذکر کیا ہے ۱۹

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں رانی برا ایمان ہو!

تقویۃ الایمان کی جس عبارت کی بنا پر یہ بہتان باندھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔ ترجمہ: مشکوٰۃ کے باب الکبائر میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک؟ فرمایا یہ کہ پکارے تو کسی کو اللہ کی طرح کا ظہر کر اور حالانکہ اللہ ہی نہ تھکو پیدا کیا۔

جواب

أَخْرَجَ الشَّيْخَانُ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ: أَيْ الذَّنْبُ الْكَبِيرُ عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالَ أُنْتُ تَدْعُو اللَّهَ بَدَأَ وَهُوَ خَلَقَكَ

د مشکوٰۃ شریف باب الکبائر ص ۱۶

فائدہ

یعنی جیسے کہ اللہ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور سب کام اس کے اختیار میں ہیں۔ سو ہر مشکل کے وقت بھی سمجھ کر اس کو پکارتے ہیں۔ سو کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہئے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اول تو یہ کہ یہ بات خود غلط ہے

کسی کو کچھ حاجت بر لانے کی طاقت ہوئے، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، دوسرے یہ کہ ہمارا جب خالق ارشہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی یہ ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا غلام اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے نہیں رکھتا، اور کسی جو ہڑے چار کا تو ذکر کیا ہے۔

(تقویۃ الایمان ص ۳۳۰ راشد کینی دیوبند)

اس عبارت کو غور سے دیکھئے! پوری عبارت میں کہیں شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کا نام نہیں لیا ہے، وہ تو ایک عام بات کہہ رہے ہیں، اور عام الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ ”کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہئے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اور اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟“ اور اخیر میں شاہ صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ ”کسی جو ہڑے چار کا تو ذکر کیا ہے“ اس کا تعلق قتل سے نہیں ہے، بلکہ مثال سے ہے، اور مثال کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے تمام کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حتیٰ کہ دوسرے بادشاہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا، پس کسی جو ہڑے چار سے وہ غلام کیا تعلق رکھے گا۔

اس مثال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ شاہ صاحب نے معاذ اللہ! حضرات انبیاء و اولیاء کو جو ہڑے چار کہا ہے، بارود گھٹنا پھونکے انکے کا مصداق ہے۔ اس فقرہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ رضا خانی انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکار رہے ہیں، اور شاہ صاحب نے اس فائدہ میں ارشہ کے سوا کسی ہستی کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکار کر سب سے بڑا گناہ کہا ہے، اور متفق علیہ حدیث کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ بات لکھی ہے۔ رضا خانی قیامت تک اس کا توڑ نہیں کر سکتے، اس لئے انھوں نے پینیز ابدل کر حملہ کیا، اور شاہ صاحب پر یہ الزام لگایا کہ، معاذ اللہ! انھوں نے تقویۃ الایمان میں حضرات انبیاء و اولیاء کو جو ہڑے چار کہا ہے تاکہ لوگ شاہ صاحب سے بدظن ہو جائیں، اور تقویۃ الایمان کو پڑھیں۔

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ خیال کہ شاہ صاحب نے یہ مثال جوں کہ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا مشرک ہے اسلئے کسی جو ہڑے چار سے مراد معاذ اللہ! حضرات انبیاء و اولیاء ہی ہیں تو ہر بالکل بے بنیاد خیال ہے، اگر اس طرح

عوم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو پھر معاذ اللہ! ارشاد خداوندی اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا) سے بھی توہین انبیاء کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

ایک اہم ضابطہ

یہاں پر یہ ضابطہ یاد رکھنا چاہئے کہ بسا اوقات عوم و اجمال کا حکم اور ہوتا ہے، اور خصوص و تفصیل کا حکم دوسرا ہوتا ہے، اجمالی اور عومی حکم درست ہوتا ہے، مگر تفصیلی اور خصوصی حکم حرام اور ناجائز ہوتا ہے، چنانچہ علم کلام کی مشہور و معروف کتاب ”مسامرہ“ میں ہے۔

ترجمہ :- جو بات ہم نے ذکر کی اجمالاً یہ کہنا
وَمَا ذَكَرْنَا مِنْ مَعْنَى الْإِعْلَاقِ أَجْمَالًا لَا أَتَفَصِّلُ
وَلَا نَصِفُ بِالْإِجْمَاعِ وَالَّتِي أَنْ يُقَالَ :
أَلَمْ نَحْزِنْ كُلَّ شَيْءٍ ، وَلَا نَبْغِ أَنْ يُقَالَ :
خَافَ الْعَادُّ ذُرَابَ دُخَانِ الْعَزَّةِ وَ
الْمُنَادِ بِمَعْنَى كَوْنِهِا مَحْلُوقَةً لَهُ الْإِقْنَاعُ
وَكَمَا يُقَالَ : لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
أَي مَا لِكُلِّهَا ، وَلَا يُقَالَ : لَهُ الزُّجَجَاتُ
وَالْأَوَّلُ وَالْآخِرُ إِصَافَةً غَيْرَ الْمَلَلِ
إِلَيْهِ (مسامرہ ص ۱۲ مصری)

جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کے لئے ہے، یعنی وہ ان کا مالک ہے لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے لئے یہ بیابان اور اولاد ہے۔ کیوں کہ اس میں غیر ملک و یعنی زوجیت اور انبیت کی اس کی طرف نسبت کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

الحاصل بسا اوقات اجمال و ابہام کا حکم تفصیل و تفسیر کے حکم سے متفاوت ہوتا ہے اس لئے اجمال کی اپنی طرف سے تفصیل کر کے دوسروں پر حضرات انبیاء و اولیاء کی توہین کا الزام لگانا اور عوام کو ان سے متنفر کرنا سراسر ظلم اور بددیانتی ہے۔

چوتھا بہتان

اسی سے ملتا جلتا ایک بہتان شاہ اسماعیل شہیدؒ پر یہ باندھا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں تمام انبیاء و اولیاء کو چار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے یہ توہین انبیاء کی بدترین مثال ہے، مولوی محمد صاحب درمقیاس حنفیتؒ میں لکھتے

ہیں کہ وہ دوسری دہائیوں کے نزدیک بقانون مذکورہ عین اسلام پر ہے کہ ہر مخلوق بڑا چھوٹا اور بڑے چھوٹے کی شرح تقویۃ الایمان صحت پر اولیاء و انبیاء سے تعمیری ہے، اور وہاں بڑے کھانی کا مرتبہ دیا اور یہاں انبیاء و اولیاء کو چار سے بھی زیادہ ذیل کہ دیا، معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! بقیاس جنین (شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے، یہ بہتان رضا خانیوں کے گستاخ تخیل نے

جواب

گھرا ہے تقویۃ الایمان کی عبارت دیکھئے۔
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: تَرَادُّ قَالَ لَقَدْ كَانَ لِأَيُّهَا
 هُوَ كَيْفَ يَكُونُ بَيْنِي لَا تَسْتَرْجِعْ بِاللَّهِ إِنَّ الشَّيْءَ
 لَفِي ظَنِّهِ عَظِيمٌ! (سورۃ لقمان آیت ۱۵)

مت شریک بنا اللہ کا، بیشک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی، سو انھوں نے اس سے سمجھا کہ

فائدہ

بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا، اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لیکر ذیل سے ذیل کو دے دیا، جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی۔ اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذیل ہے، (تقویۃ الایمان صلا راشد مبین دیوبند) اس عبارت سے انبیاء و اولیاء کی تحقیر و توہین ہرگز مقصود نہیں، بلکہ شرک کی قباحت و شتاعت کو واضح کرنا ہے، اور خالق ارض و سما کے سامنے ساری مخلوق کی جو حقیقت ہے اسکو

اُجاگر کرنا ہے کہ جس طرح بادشاہ کے سامنے چار بے بس اور مجبور و لاچار ہوتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کے سامنے عاجز و بے بس اور مجبور و لاچار ہے، کیونکہ بادشاہ اور چار نفس انسانیت میں تو شریک ہیں، لیکن خالق اور مخلوق کے درمیان تو کسی بات میں شریک نہیں۔ انحضرت شاہ صاحب کسی بنیادی کا نام لئے بغیر ایک بات بیان فرما

رہے ہیں۔ اس عوم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیاء کو ثابت کرنا رضا خانیوں کے گستاخ تخیل کا نتیجہ ہے۔ اگر اسی طرح عوم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہین انبیاء کو ثابت

کرنا درست ہو تو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی ۷۳۲ھ) کے بارے میں آپ کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توالی سے یہ بات لکھی ہے کہ:

بَلِّغْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَضَعَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ الْمَدِينَةَ

اللَّهُ قَالَ: لَا تَسْأَلُنِي عَنِ هَذَا

پانچواں

محمد رسول اللہ کے تصور اور تن و دُوب نقل کرنے

اللہ تعالیٰ تصور اور دُوب

صدمہ پڑھ کر

نہ ہر

تمہید

تالیف

اس

کے آج نے فرمایا: آدمی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح نہ ہو جائیں۔

لَقَدْ قَالَ: لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ الْمَرْءِ حَتَّى يَكُونَ النَّاسُ مِنْدًا كَالْأَبَاعِمْدِ عَوَارِفِ الْمَعَارِفِ
عنِ هَامِشِ أَحْيَاءِ الْعُلُومِ ۳۲۴ ج ۴

پانچواں بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر پانچواں بہتان رضا خانیوں نے یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے "صراطِ مستقیم" میں لکھا ہے کہ نازی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشرِ رندی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرتے سے بھی بُرا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ خاں صاحب بریلوی در صراطِ مستقیم کی فارسی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”مسلمانو! مسلمانو! خدا را ان ناپاک ملعونی شیطانِ کلّوں کو غور کرو! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نازی میں خیال لیجانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشرِ رندی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرتے سے بھی بُرا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، یہاں واقعی رندی نے تو دل نہ دکھایا، گدھے نے تو اندرونی صدمہ نہ پہنچایا۔ نچا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ قرآنِ عظیم میں وَحَاْنَةُ النَّبِيِّیْنَ پڑھ کر تازی بتوں کا دربار جلایا، ان کا خیال اُنّا کیوں نہ قہر ہو، ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو، مسلمانو! للہ انصاف! کیا ایسا کلر کسی اسلامی زبان سے نکلنے کا ہے، حاش للہ! (الکوئتہ الشہابیہ ص ۲۹-۳۰)

تمہید جواب

پہلے تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں بعد میں صراطِ مستقیم کی عبارت کا مطلب بیان کیا جائے گا، اور مذکورہ بہتان کا جواب دیا جائیگا۔

① "صراطِ مستقیم" اصل فارسی میں ہے، اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تالیف و تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کے شیخ حضرت سید احمد شہید صاحب رائے بریلوی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مرتب فرمایا ہے، اس لئے شاہ صاحب اس کے مصنف نہیں بلکہ جامع اور مرتب ہیں، کتاب کے سرورق پر اس کی تصریح موجود ہے۔

② صراطِ مستقیم میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے سارے ملفوظات حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کے جمع کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

حاضر کرتے ہیں، اور خود بہ نہایت ادب اور تعظیم اپنی پوری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں، اور دل کو اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں (صراط مستقیم مترجم ۱۳۴ و ۱۳۵، صراط مستقیم فارسی ص ۱۱۸)

(۵) فارسی خاور سے میں متابع دنیا کو درگاؤ خر، سے تعبیر کرتے ہیں، فارسی کا مشہور شعر ہے،
برزباں تسبیح و دردل گاؤ خر
ایں چنین تسبیح کے دو اردا اثر
ایں تسبیح سے کیا فائدہ (۱۹)

(ردباں پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر)
ظاہر ہے کہ اس شعر میں گاؤ خر سے صرف گدھا اور بیل مراد نہیں بلکہ تمام وہ چیزیں مراد ہیں جو انسان کو خدا سے غافل کرتے والی ہیں، گاؤ خر کے یہی معنی خود وہ صراط مستقیم، میں بیان کئے گئے ہیں، گاؤ خر تمثیل است ہرچہ سوائے حضور حق است، گاؤ یا شہ یا خر، فیل یا شہ یا شتر، (صراط مستقیم ص ۵۵)

جواب

ان تہدییہ باتوں کے بعد جاننا چاہئے کہ "صراط مستقیم" میں یہ نہیں ہے کہ نماز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا، بیل اور گدھے کے تصور میں صراط مستقیم کی عبارت غور سے پڑھئے

ہر تن دلوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے
ہاں بمقتضائے خلقت بعضہا فوق بعض داوہر
آرے بمقتضائے خلقت بعضہا فوق بعض از
تھے بہت سے اندھے ہیں (زنائے دوسو سے
دوسو زنا خیال مجامعت زواج خود بہتر است
و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں
اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے
از معظمین گو جواب رسالت مآب باشند بخندیں
مگر بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود
است کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بسویدائے
دل انسان کی چسپد، بخلاف خیال گاؤ خر کہ نہ
آں قدر چسپیدگی بود و نہ تعظیم، بلکہ مہمان
و فقری بود، و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نداد
ملوظ و مقصود می شود بشرک می کشد،

(صراط مستقیم ص ۸۶)
ہوتا ہے اور غیر انسانی تعظیم و تکریم جو نماز میں ملوظ و مقصود ہوتی ہے شرک کی طرف کھینچ کر لجاتی ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نمازیں اللہ جل شانہ کی طرف سے دھیان کو ہمارا کسی اور چیز کی طرف لے جانا بڑا ہے۔ کیوں کہ یہ بات نمازیں جو خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے اس کے منافی ہے، لیکن تمام وسوسوں اور خیالات کا حکم یکساں نہیں ہے، بلکہ بعض وسوسوں سے زیادہ برے ہیں، مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال آتا بڑا نہیں جتنا زنا کا خیال بڑا ہے۔ اسی طرح نمازیں اپنے شیخ یا کسی بزرگ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صرف بہت کرنا یعنی اپنے دل کو تمام خیالات حتیٰ کہ توجہ الی اللہ سے بھی قصداً خالی کر کے شیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہر حق متوجہ کرنا اور اسی کو مرکز توجہ بنانا، یہ زیادہ برا ہے، دنیوی وسوسوں میں مستغرق ہونے سے کیوں کہ دنیوی وسوسوں قصداً اختیار سے نہیں لائے جاتے بلکہ خود بخود آجاتے ہیں اور نمازی کو ان سے ایسی دلچسپی نہیں ہوتی جو مفضی الی التعظیم ہو، بلکہ ان کی حقارت پیش نظر رہتی ہے، اسی لئے جب نمازی کو اس کا خیال آتا ہے تو تمام وسوسوں کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور خشوع و خضوع پیدا کر لیتا ہے، برخلاف، ”صرف بہت“ کے کہ اس میں بالقصد اپنی توجہ کا مرکز شیخ یا رسول خدا کو بنایا جاتا ہے اور ان کے تصور کے سوا ہر خیال کو حتیٰ کہ اللہ جل شانہ کے خیال کو بھی دل سے نکال کر شیخ یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی صورت کو تعظیم و تکریم کے ساتھ ملحوظ و مقصود بنایا جاتا ہے۔ اس لئے نمازی توجہ الی اللہ سے محروم ہو جاتا ہے، اور اسی کی تعظیم و تکریم یعنی قیام رکوع اور سجدہ وغیرہ سب غیر اللہ کے لئے ہو جاتا ہے، اور ایسی تعظیم و تکریم انسان کو مشرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اسی لئے ”صرف بہت“ کو دنیوی وسوسوں سے بد جہاد ترک کیا گیا ہے، فاقہم و تذبذب!

لیکن صرف بہت اور شبل برزخ کے بغیر نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے یا انجیات اور درود شریف پڑھتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال جلا جائے، اس طرح پر کہ توجہ الی اللہ میں کوئی خلل واقع نہ ہو تو اس کی نماز نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہوگی، خود ”صراط مستقیم“ میں اس مقام پر تصریح ہے کہ اگر حالت نماز میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء کی ارواح کا انگشت ہو جائے تو وہ قبیح اور مذموم نہیں ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کا جلیل القدر انعام ہے، جو اللہ کے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے، صراط مستقیم میں ہے۔

نہایت دانست کہ سونے مسائل غریب و کثیف یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آ جانا ارواح و ملائکہ در نماز قبیح است، بلکہ توحیدیت اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے،

و قصد این کار در کجایت و استراج این مدعا
در نیت، مخالف خلوص فطرهاں است، و اما
سنوح و کشف مذکورین پس از قبیل غلبتہائے
فازہ است کہ فطرهاں مستغرق حضور حق را بسبب
و نور عنایتہا بآں می نوازند، پس در حق ایشان
کمال است کہ در موطن مثال مجسم گردیدہ،
و نماز ایشان عبادتے ست کہ قرہ اش منظر
رسیدہ، (صراط مستقیم ص ۸۵)

بلکہ اپنی بہت کو اس کی طرف متوجہ کرنا، اور دل
میں اس کام کا ارادہ کرنا، اور نیت میں اس
مقصد کو ملا دینا فطرس لوگوں کے اخلاص کے
مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور
ارواح اور فرشتوں کا کشف ان ناخرہ نعمتوں
میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق حضرات
کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے نوازا جاتا ہے
پس یہ ان کے حق میں ایسا کمال ہے جو کہ عالم
مثال میں مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت
ہے کہ اس کا قرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا،

حضرت نانوتوی قدس سرہ کے پر مہبتان

آپ کا اسم گرامی محمد قاسم، والد بزرگوار کا نام اسم علیٰ جدا محمد
کا نام غلام شاہ ہے اور تادکنی نام "خورشید حسین" ہے، آپ کا سلسلہ
نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، شعبان، یار رضا
۱۲۳۸ھ میں قصبہ "نانوتہ" میں پیدا ہوئے جو دیوبند سے بارہ کوس
مغرب میں واقع ہے، محرم الحرام ۱۲۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد
ڈاکٹر آغا ایشیہ کا عظیم ترین دینی ادارہ ہے، سرجمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ
جبرأت کے دن بعد از ظہر انتقال فرمایا، دارالعلوم دیوبند سے متصل
"مزار قاسمی" میں مدفون ہیں۔

پہلا مہبتان

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ پر رضا خانیوں نے یہ مہبتان
باندھا ہے کہ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہوئے مگر
ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بنی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی دوسرے
بنی کا آنا ممکن ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم زمانی ہونا
ضروریات دین میں سے ہے، لہذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلا بنی نہ جانے وہ
مسلمان نہیں، خاں صاحب بریلوی "حسام الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

"اور قاسم، قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی "تحذیر الناس" ہے، اور اس نے اپنے
رسالہ میں لکھا ہے "بلکہ بالعرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی بنی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا
بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ بالعرض اگر بعد زمانہ بنوی بھی کوئی بنی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ
فرق نہ آئے گا، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر بنی ہیں
مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ حالانکہ
فتاویٰ تہذیب اور الاستبشاہ والنظار وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے
پہلا بنی نہ جانے تو مسلمان نہیں، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا،
سب انبیاء سے زمانہ میں پہلا ہونا ضروریات دین سے ہے، اور یہ وہی نانوتوی ہے، جسے

محمد علی کا پوری
پلٹ دیتا ہے
تمہیلہ جو

①
تحذیر الناس
حکایت سنیہ
زمانی ہیں
۷۷ سات
تمہارے
تمہارے

یہ
کیا ہے
جب کہ
ہے
اس کا

وضاحت
نہیں
②
ختم
تینوں
ختم

عہ

محمد علی کا پوری ناظم ندوہ نے حکیم امت محمدیہ کا لقب دیا ہے، پاکی ہے اسے جودوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم، (حسام المبین ص ۱۲)
جواب سے پہلے چند باتیں تمہید کے طور پر جان لیجی جاسیں، تاکہ حضرت نانوتوی تمہید جواب | قدس سرہ کی عبارتوں کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے،

① سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ دو مخدیر الناس کا موضوع کیا ہے؟
مخدیر الناس کا موضوع یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۃ طلاق میں ارشاد خداوندی ہے اِنَّہٗ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَرَبِّہٖمَ الْاَرْضِ وَرَبِّہُمَا یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، اس ارشاد خداوندی کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک اثر مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر زمین میں مخلوق ہے، اور آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح، نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح، ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح، اور محمد ہیں تمہارے محمد کی طرح (الدار المنثور ص ۲۳۸، جلد ۷)
یہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے، بعض لوگوں نے اس اثر کا یہ خیال کرتے ہوئے انکار کیا ہے کہ اگر اس زمین کے علاوہ دیگر زمینوں میں بھی محمد ہوں گے تو وہ بھی خاتم النبیین ہونگے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خاتم النبیین صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہذا یہ روایت غلط ہے، کسی نے اس سلسلہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ سے سوال کیا، تو حضرت نانوتویؒ نے اس کا جواب ارقام فرمایا، کتاب کا پورا نام، فتویٰ مخدیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ، ہے اس کتاب میں حضرت نانوتوی قدس سرہ نے حضرت ابن عباسؓ کے اثر کو صحیح مان کر نہایت وضاحت کے ساتھ یہ ثابت فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس زمین کے انبیاء کے خاتم نہیں ہیں، بلکہ تمام زمینوں کے انبیاء کے خاتم ہیں۔

② حضرت نانوتوی قدس سرہ نے مخدیر الناس میں ختم نبوت کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ختم نبوت ربی، ختم نبوت زمانی اور ختم نبوت مکانی، اور دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ آپؐ تینوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت ربی | کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ باذات

متصف ہیں اور دیگر انبیائے کرام وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یعنی آپ پر نبوت کے کمالات و مراتب تمام ہو گئے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مراتب کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت زمانی

کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کے آخر میں تشریف لائے ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اس لئے آپ زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

ختم نبوت مکانی

کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سات زمینوں میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ زمین میں تشریف لائے ہیں، اس کو حضرت نانوتوی نے تفصیل سے سمجھا یا ہے، اس لئے آپ مکان یعنی زمینوں کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

(۲) وصف نبوت کے ساتھ بالذات اور بالعرض متصف ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ دو طرح کی ہیں، ایک ذوات دوسری صفات جیسے کاغذ کی سفیدی میں سفیدی وصف ہے اور کاغذ ذات ہے، اسی طرح دنیا میں جتنے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں، بالذات اور بالعرض مثلاً جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی درو دیوار پر پڑتی ہے اور سورج کی طرح درو دیوار بھی روشن ہو جاتے ہیں، مگر درو دیوار کی روشنی بالعرض ہے اس لئے سورج کے عزوب ہوتے پر درو دیوار پر تاریکی چھا جاتی ہے، اور سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لئے سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔

یہی حال تمام اوصاف کا ہے کہ جتنی صفات بالعرض ہوتی ہیں وہ کسی موصوف بالذات پر جا کر منتہی ہوتی ہیں۔ اور موصوف بالذات سے تجاوز نہیں کر سکتیں جیسے درو دیوار کی روشنی سورج کا فیض ہے، مگر سورج کی روشنی اس کی ذاتی ہے۔

اب دیکھئے! کہ نبوت کسی ذات کا نام نہیں ہے، بلکہ نبوت ایک وصف ہے اور بنی ذات مع الوصف کا نام ہے، یعنی بنی وہ شخصیت ہے جو وصف نبوت کے ساتھ متصف ہے، پھر مزید غور کیجئے! کہ سارے انبیاء جو تعداد میں ایک لاکھ سے زیادہ ہیں وہ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں یا بالعرض یا بعض بالذات اور بعض بالعرض؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ایک بنی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اور باقی سارے انبیاء وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یہی مضمون خاتم النبیین میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

بدل معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء کے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے (تخذیر الناس ص ۱۳) اس کے بعد ص ۲۸ پر ارقام فرماتے ہیں کہ۔

”اگر خاقیت بمعنی انصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے۔ جیسا کہ اس پچھواں نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل بنوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت ہوگی افراد مقدہہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائیگی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ بنوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاقیت حمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین پر کوئی اور نبی تجویز کیا جائے“ (تخذیر الناس ص ۲۸)

(۴) حضرت نافو تو قی قدس سرہ نے ”تخذیر الناس“ میں یہ مسئلہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ ختم نبوت ربی کے لئے ختم نبوت زمانی لازم ہے، کیوں کہ جو اوستی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اگر وہ تمام نبیوں سے پہلے آئے، یا ان کے درمیان میں آئے تو خدا در لازم آئیگا۔

اور وہ مذکور اور خرابی یہ ہے کہ خاتم النبیین کے بعد جو انبیاء آئیں گے، اگر ان کے پاس وحی نہ آئے اور ان کو نئے علوم سے نوازا جائے تو وہ بنی نہیں ہوں گے، اور اگر ان انبیاء متاخرین کے پاس وحی تو آئے مگر اس میں علوم جدیدہ نہ ہوں تو وہ وحی تفصیل حاصل ہوگی، اور اگر ان کے پاس وحی آئے اور ان کو نئی شریعت اور نئے علوم سے نوازا جائے تو موصوف بالذات کی شریعت کا موصوف بالعرض کی شریعت سے منسوخ ہونا لازم آئیگا، حالانکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے افضل ہونا، یا منسوخ کے مساوی ہونا ضروری ہے۔ مفضول افضل کے لئے ناسخ نہیں بن سکتا، خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ،

مَا تَشْجَعُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَذِيرٍ أَنْ لَا تَكُونُ مِنَ الْمُنْذَرِينَ (سورہ بقرہ آیت ۲۴)

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو دہنوں سے، فراموش کر دیتے ہیں،

تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ناسخ ہمیشہ منسوخ سے بہتر یا منسوخ کے مانند ہوتا ہے، پس اگر خاتم النبیین شروع میں تشریف لائیں یا درمیان میں آجائیں تو بعد میں آئینا لے نبیوں کی شریعت ان کی شریعت کو منسوخ کر دے گی، اور یہ بات ناممکن ہے، اسی لئے حضرت نے فرمایا ہے کہ

قام النہیں کے لئے سب سے آخر میں آنا ضروری ہے، اور ختم نبوت رقی کے لئے تاخر زمانی لازم ہے حضرت نانو تو قی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ،

بالجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں، اور سوا کے اور انبیاء موصوف بالعرض، اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا، تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا، حالانکہ خود فرماتے ہیں، مَا تَشْتَعِبُ مِنْ آيَةٍ اَوْ مَسْئَلَةٍ اَنْ تَابَ بِعَدُوٍّ مِنْهَا اَوْ مِثْلِهَا، اور کیوں نہ ہو! یوں نہ ہو تو اعطاء دین محمد مرتبہ نہ رہے، آثار غضب میں سے ہو جائے، ہاں اگر یہ بات منصور ہو تو اعلیٰ درجہ کے علماء علوم ادنیٰ درجہ کے علماء کے علوم سے کسر اور ادون ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا، پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مراتب ہونا علوم مراتب علوم پر موقوف ہے، یہ نہیں تو وہ بھی نہیں، اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات تو ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی، اور اضافہ علوم کیا جاتا، ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ حکم اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَظٰهِنُ الْغُفٰوٰتِ کے جو یہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہتے، اور شہادت آیت وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیٰنًا وَاٰیٰتٍ شٰہِدٍ جٰمِعِ الْعِلْمِ ہے کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین، علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیان نا ممکن کیونکہ یہی جو نا غلط ہو جاتا،

بالجہ جیسے ایسے ہی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہئے تھی، تاکہ علوم مراتب نبوت جو لجرم علوم مراتب علمی ہے، چنانچہ معروض ہو چکا۔ مبیسر آئے، ورنہ یہ علوم مراتب نبوت بیشک ایک قول و دروغ اور حکایت غلط ہوتی، ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔
(تحذیر الناس ص ۵)

جواب

ان تشبیہی مقدمات کے بعد خاں صاحب بریلوی کے بہتان کا جواب سنئے!
خاں صاحب بریلوی نے "تحذیر الناس" کے مختلف صفحات کی عبارتیں آگے پیچھے کر کے پیش کی ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور لوگوں کو تباہ و کرکاتے کی مذموم سعی کی ہے کہ حضرت نانو تو قی قدس سرہ، معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہو نیکیے مگر ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد کبھی نبی کا آنا ممکن ہے۔ حالانکہ حضرت نانو تو قی قدس سرہ نے خود "تحذیر الناس"

میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے نبی ہیں، جو آپ کو سب سے پہلے نبی مانے وہ کافر ہے، حضرت نانوتوی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں۔

”اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت

زمانی بدالالت التزانی ضرور ہے، اور تصریحات نبوی مثل اَنْتَ مَعِيَ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰی (الْاَنْتَ لَا يَكُنْ بَدَلِيْ، اَوْ لَكَ خَالَ جُو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ناخوفا ہے، اس باب میں کافی، کیوں کہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدم تواتر الفاظ، باوجود تواتر معنوی، یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات، فرائض و وتر وغیرہ، باوجودیکہ الفاظ احادیث شریعہ تعداد رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا“ (تخذیر الناس ص ۱)

اس عبارت میں حضرت نانوتوی قدس سرہ نے تین جگہ چارویلیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم زمانی ہونا ثابت فرمایا ہے، اور یہی صراحت لکھ دیا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم زمانی ہونے کا منکر ہو، وہ ایسا ہی کافر ہے، جیسا فرائض و وتر وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے چارویلیوں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی دیصل **ی** ہے کہ ”خاتم النبیین“ میں جو لفظ خاتم ہے اس کو عام اور مطلق رکھئے، اور ختم نبوت کی تینوں قسموں میں سے کوئی خاص قسم مراد نہ لیجئے، تو ختم نبوت مرتبی، ختم نبوت زمانی، اور ختم نبوت مکانی تینوں طرح کی ختم نبوت آپ کے لئے قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہوں گی، حضرت ”منارِ علیہ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اگر خاتم کو مطلق رکھئے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اس طرح ثابت ہو جائیں گے، جس طرح آیت اِنَّمَا الْغَمْرُ وَالْمَيْمَرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عِنْدِ الشَّيْطَانِ میں لفظ ”رجس“ سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوئی ہیں، اور اس ایک معنوم کا اقرار مختلفہ پر محمول ہو نا ظاہر ہوتا ہے، ”منارِ علیہ“

دوسری دیصل **ی** خاتم النبیین میں جو لفظ خاتم ہے اس سے صرف ختم نبوت مرتبی مراد لیجئے، اس صورت میں بھی ختم نبوت زمانی دلالت التزانی کے طور پر

ثابت ہوگی اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا، کیوں کہ ختم نبوت مرتبی کے لئے ”تاخر زمانی لازم ہے اس کی تفصیل تبہ میں گذر چکی ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل

احادیث متواترہ اور اجماع امت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، اس لئے اس کا

منکر کافر ہے، اگرچہ احادیث کا تواتر لفظی نہیں معنوی ہے، مگر جب اس پر اجماع ہو چکا اور پوری امت کا اتفاق ہو چکا تو اب کسی کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی،

الحاصل حضرت نافع بن خذیر الاناس میں خاتمیت زمانی کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ خاتمیت زمانی کے ساتھ خاتمیت مرتبی اور خاتمیت مکانی کو ثابت فرما کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو با مدون تک پہنچا دیا ہے، حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ، مناظرۃ عجیبہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ،

”حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے ٹھیکو انکار نہیں، بلکہ یوں کہنے کو منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے، بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جمادینے، اونٹنیوں کی نبوت پر ایمان ہے، پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ ان کو دوبارہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید کہا، ورنہ بروئے تحقیق سب برابر ہو جاتے، اور کسی کو کسی پر افضلیت نہ رہتی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور نبی کو ماننا پڑتا“ (مناظرۃ عجیبہ صفحہ ۵)

حال صاحب بریلوی نے تحذیر الناس کے حوالہ سے حضرت

خاں صاحب کی خیانت

نقل کی ہے، وہ تین الگ الگ صفحات کی عبارتیں ہیں، جن کو آگے پیچھے کر کے خاں صاحب نے پیش کیا ہے، پہلا فقرہ ص ۱۳ کا ہے، دوسرا ص ۲۸ کا اور تیسرا ص ۳۳ کا ہے اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھ سکے کہ یہ عبارت مختلف صفحات کی ہے، یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے۔ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں،

علاوہ ازیں ایک اور خیانت ملاحظہ فرمائیے کہ سب سے پہلے ص ۱۳ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے ”بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی نہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہو نا بدستور باقی رہتا ہے۔“ پھر ص ۲۸ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے ”بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ پھر ص ۳۳ کی عبارت

نقل کی ہے۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا ۱۰؎
کیا کوئی بھی عقلمند خاں صاحب کو ان کی اس نازیبا حرکت پر معذور کہہ سکتا ہے؟ اگر پہلے صراحت
پھر صراحت ۲۸؎ کی عبارت نقل کرتے تب بھی کچھ گھٹائش ہو سکتی تھی، کہ بالترتیب مختلف صفحات کی عبارت
نقل کرتے چلے گئے، مگر اب تو یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا، لامحالہ کفریہ مضمون بنانے کے لئے خاں صاحب
نے جان بوجھ کر ترتیب کو بدل لایا اور کفریہ مضمون تراشا ہے۔

لیکن آپ غور کیجئے؛ صراحت ۳۱؎ کی عبارت میں حضرت نانوتوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ”
بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی بنی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا
ہے۔“ اور صراحت ۲۵؎ پر تحریر فرماتے ہیں: ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نئی پیدا
ہو تو پھر بھی خاتمت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ ہر دو مقام پر حضرت خاتمت کا اقرار فرما رہے ہیں
اور یہ اپیش نظر ہے کہ خاتمت محمدی جو قطعی ہے وہ باقی رہنی چاہئے پھر حضرت نانوتوی چڑا الزام لگانا
کہ وہ خاتمت کے منکر ہیں کس قدر دھوکہ ہے یہ تو یہی نہیں سکتا کہ حضرت خاتمت کے منکر بھی ہوں
اور یہ بھی فرمائیں کہ ”خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“ اور خاتمت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“
ہر شخص ادنیٰ غور سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نانوتوی اس مقام پر کوئی اور خاتمت ثابت فرما رہے
ہیں، جو خاتمت زمانی کے علاوہ ہے اور اسی خاتمت کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض
آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی بنی فرض کیا جائے تب بھی خاتمت محمدی میں کوئی
فرق نہ آئیگا، وہ خاتمت کون سی ہے؟ وہ خاتمت رتبہ ہے۔ اور صفحہ ۳۱ کی
عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف خاتم زمانی ماننا یہ عوام کا خیال ہے، معتقین
کے نزدیک آپ جیسے خاتم زمانی ہیں ویسے ہی خاتم رتبہ بھی ہیں۔

دوسرا بہتان

حضرت نانوتوی قدس سرہ پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ امتیوں کو
عمل میں انبیاء کرام کے مساوی بلکہ بڑھا ہوا تسلیم کرتے ہیں، یہ انبیائے
کرام کی شان میں گستاخی ہے، مولوی محمد عمر صاحب تھذیر الناس کی عبارت اور قرآن پاک
کی یہ آیت النبی اذلی بالمرسلین من المرسلین نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ تمام مالیہاں کی جانوں کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادلی فرما دیں، اور تم اپنی جانوں
کے اعمال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے برتر سمجھو، کیا دیوبندی فرقہ کو قرآنی تعلیم کا اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی غلامی کا یہی اثر ہے کہ اپنے آقا سے غلامی کو اعمال میں بالا سمجھتے ہو۔ (مقیاس حقیقت ص ۱۲)

جواب

یہ ہے

تخذیر الناس کی جس عبارت کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ پر یہ الزام لگایا گیا ہے وہ

”انصار اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں، تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی راعی اس میں
برادرات۔ بظاہر“ اتنی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔“ (تخذیر الناس ص ۵)
دیکھئے! تخذیر الناس کی عبارت میں ”بظاہر“ کا لفظ موجود ہے جس پر ہم نے خط کیجئے دیا ہے
اس لفظ سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عمل میں اتنی کا بنی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف
ظاہری اعتبار سے ہوتا ہے حقیقت میں نہیں، یعنی کمیت اور مقدار کے اعتبار سے کبھی اتنی عمل میں
بنی سے بڑھ جاتے ہیں، لیکن کیفیت کے اعتبار سے کبھی اتنی عمل میں بنی سے بڑھ نہیں سکتے۔

الغرض حضرت نانوتویؒ قدس سرہ نے جو بات بیان فرمائی ہے وہ اتنی واضح اور بدیہی ہے
کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا، دیکھئے! شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، اس کے
بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتبر روایات کے مطابق تقریباً پندرہ برس دنیا میں رونق افروز
رہے، جس کے پانچ ہزار چار سو دن ہوتے ہیں، اور ستائیس ہزار نمازیں، گو با آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ستائیس ہزار فرض نمازیں اپنی حیات طیبہ میں ادا فرمائیں، لیکن فرض
کیجئے کہ آپ کا ایک اتنی بلوغ کے بعد سو سال کی عمر پاتا ہے، اور امر کی توفیق سے تمام فرض
نمازیں ادا کرتا ہے، تو اس کی فرض نمازوں کی تعداد پونے دو لاکھ کے قریب ہوگی، اور کمیت
و مقدار میں اس اتنی کی فرض نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں سے زیادہ ہونگی
اس کا کون انکار کر سکتا ہے، اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے ایک سجدہ کا جو وزن ہے وہ ان پونے دو لاکھ نمازوں کا نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں صرف ایک فرض نماز کیا ہے۔
لیکن امت محمدیہ میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جنہوں نے امر کی توفیق سے تیس چالیس نماز کیجئے
ہیں۔ یہی مطلب ہے حضرت نانوتویؒ قدس سرہ کی عبارت کا، اور اس
جس کا بنی کی شان میں ادنیٰ درجہ کی گستاخی نہیں، لیکن سادوں کے اندھے کو ہر اہی سوتھتا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ پر بہتان

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ پر رضا خانیوں نے یہ بے بنیاد بہتان باندھا ہے کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا، خاں صاحب ریوی "سام الخرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

”پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں۔ جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا۔ صاف لکھ دیا: جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو باطل جھوٹا مانتا اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا، اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اس سے کفر بالائے طاق گمراہی درکار فاسق بھی نہ کہو، اس لئے کہ بہت سے امام الیہا کہ چلے ہیں جیسا اس نے کہا“ (۱۵)

جواب یہ خالص بہتان ہے، اس میں رتی بھر بھی صداقت نہیں، بلکہ اس کے برخلاف حضرت گنگوہی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یا کہے کہ خدا جھوٹا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں ہے۔

استفصار کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عز و اسد موصوف بصفات کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا نے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ مینو اتوجردا۔

الجواب ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفات کذب کیا جاوے، معاذ اللہ تعالیٰ! اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے، قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اللَّهُ قِيلَ۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت

یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے وہ ہرگز مومن نہیں ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے، اور مخالف قرآن اور حدیث اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں، تعالیٰ اللہ عَمَّا يُعُولُ الظُّلُمِ مِنَ عُلُوِّ أَكْبَرًا البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثل فرعون و ہامان والی ہوب کو جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ کلم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا، معرودہ تعالیٰ قادر ہے اس بات

ہر اس کو جنت دیدیوے۔ عاجز نہیں ہو گیا قادر ہے، اگرچہ الیا اپنے اختیار سے نہ کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ،
 وَتُشَاقِقُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّ نَفْسٍ هَذَا حَادٍ لَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْغَيَّةِ وَالْأَنْبِيَاءُ جَمْعٌ
 اس آیت سے واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن کر دیتا، مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف
 نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے اضطراب سے نہیں، وہ فاعل فاعل ہے، فاعل لما یُرید ہے، یہ عقیدہ تھا
 علماء امت کا ہے۔ چنانچہ بیضاوی میں تحت تفسیر قول تعالیٰ اِنْ نَّعْظِرْکُمْ اَلَمْ لَکُمْ ہاے کہ عدم عفران شرک کا
 مقفل وعید کا ہے، ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی وَعَدُمْ غَفْلًا الشِّرْکَ
 مُعْصَى الْعِبَادِ فَلَا اِمْتِنَاعَ فِيهِ لِذَاتِهِ، واللہ اعلم بالصواب،

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸)

ربا خاں صاحب بریلوی کا یہ کہنا کہ حضرت گنگوہی کا مہری متغلی فتویٰ بمبنی وغیرہ میں بارہا طبع ہوا
 ہے اس میں انھوں نے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا کہا ہے، تو یہ بھی خالص بہتان اور سفید جھوٹ
 ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے
 ہیں کہ۔

”اور یہ جو بریلوی کہتا ہے کہ اس کے پاس مولانا (گنگوہی) کے فتوے کا فوٹو ہے جس میں الیا
 لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا قدس سرہ پر بہتان باندھنے کو یہ جعل ہے، جس کو گھر کر اپنے
 پاس رکھ لیا ہے، اور ایسے جھوٹ اور جعل اسے آسان ہیں، کیوں کہ وہ اس میں استاذوں کا استاذ
 ہے اور زمانہ کے لوگ اس کے حیلے، کیوں کہ تحریف و تلبیس و جعل و مکر کی اس کو عادت ہے، اکثر
 مہر بنالیتا ہے، مسیح قادیانی سے کچھ کم نہیں، اس لئے کہ وہ رسالت کا کھلم کھلا مدعی تھا، اور یہ
 بعدیت کو چھپائے ہوئے ہے، علماء امت کو کافر کہتا رہتا ہے۔ (المہند علی المفند ص ۳۷)

حضرت سہارنپوری پر بہتان

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ پر منافانوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے ”برائین قاطعہ“ میں صراحت لکھا ہے کہ شیطان کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ خان صاحب بریلوی ”حسام المؤمنین“ میں لکھتے ہیں کہ:

اور یہ بھی اسی نکتہ میں خدا کرے والے گن گوی کے دم چیلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب ”برائین قاطعہ“ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بد الفاظ میں صریح ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی مگر عالم کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے (صفحہ ۱۵)

تمہید جواب

① جواب سے پہلے جان لینا چاہئے کہ ”برائین قاطعہ“ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ مولوی عبدالسیع صاحب رام پوری (صاحب جہداری) نے بدعات و وجہ کی تائید میں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام انہوں نے ”الانوار ساطعہ و ربیان مولود و فائزہ“ رکھا تھا، اس کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے اس کا پورا نام ”برائین قاطعہ علی نظام انوار ساطعہ“

② خاں صاحب بریلوی کی عادت یہ ہے کہ کسی کتاب کی ناقص اور ادھوری عبارت پیش کر کے اپنے دل کے پیچھے لٹکتے رہتے ہیں یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق ایسا ہی کیا ہے، اس لئے جواب سے پہلے مسئلہ کی پوری حقیقت جان لینی چاہئے۔

اصل مسئلہ محفل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ہے۔ مولوی عبدالسیع صاحب نے محفل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ موت کا فرشتہ رتوں کو قبض کرنے کے لئے ہر جگہ حاضر ہے اور شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح چاند، سورج ہر جگہ موجود ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں کیوں حاضر نہیں ہو سکتے؟ جب مفضول ہر جگہ حاضر ہو سکتا ہے تو افضل کیوں نہیں ہو سکتا؟ مولوی عبدالسیع صاحب انوار ساطعہ میں چند احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے، بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے، درخت کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے، علامہ شافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، مگر جس کو اللہ نے بچالیا، بعد اس کے لکھا ہے وَأَمَّا زَكَرِيَّا فَكَانَ مِنَ الْمُسْتَضَرِّينَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے، انتہائی کلام۔

اب عالم اجسام محسوس میں اس کی مثال سمجھئے، کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی اگر سر کرے جہاں جائے گا چاند کو موجود پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود تمہارے قاعدے سے چاہے کہ وہ کافر ہو جائے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ زوہ مشرق ہے کہ کافر، خاصہ مسلمان ہے، پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے، روح بنی صلی اللہ علیہ وسلم، جو ساتویں آسمان پر طلیں میں موجود ہے، اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح الزوار فیضان احمدی سے کل مجاہد ملہرہ کو ہر طرف سے شل شعاع شمس نیا ہو جائے کیا حال اور بعید ہے؟ (الذوار سالطہ مع براہین قاطعہ ص ۵۷)

تحقیقی جواب

خاں صاحب بریلوی نے براہین قاطعہ کی جس عبارت کو پیش کیا ہے اس میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ الذوار سالطہ کی مذکورہ بالا عبارت کا رد فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات حقیقی اور ذاتی ہیں اور مخلوق کی صفات مجازی اور عطائی ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنی وسعت علم اور قدرت عطا فرمائی ہے اس سے زیادہ وہ ایک ذرہ بھر آگے نہیں جڑ سکتا، لہذا افضل کو مغضول پر قیاس کر کے افضل میں مغضول کے برابر یا اس سے زیادہ وسعت عنایت کرنا صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ عقائد کے مسائل قیاس نہیں، ثانیاً اس وجہ سے کہ قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور ثالثاً اس وجہ سے کہ اگر یہ قیاس صحیح مان لیا جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام مسلمان خصوصاً مولوی عبدالسیع صاحب شیطان سے زیادہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ کیوں کہ ہر مسلمان چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو شیطان سے بہر حال افضل ہے۔

پھر اگر ہم یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کی صفات عطائی ہوتی ہیں، تو پھر ملک الموت اور شیطان کی عطائی وسعت علم پر قیاس کر کے انہیں حضرت صلی اللہ

طیروں کے لئے پوری زمین کا علم ذاتی غیر عطا کی ثابت کرنا شرک نہیں تو کیا ہے؟ دیکھیے! براہین قاطعہ کی پوری عبارت یہ ہے،

عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صف صفت حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی، اور جو کچھ اپنی صفات کا نقل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہر ممکن نہیں، سمیع و بصیر و علم و لغزین حق تعالیٰ کا حقیقی ہے، اور مخلوق کا مجازی، لَیْسَ کَمِثْلِ شَيْءٍ اَلَا یَتَذَكَّرُ۔

پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و مانتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں، اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور اس کثرت و قلت و نقل

کی کمی زیادتی موقوف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مع ہذا علم کا شفق ان کا حضرت خضر سے بہت کم تھا، اور پھر جس قدر حضرت خضر علیہ السلام کو ملا اس سے زیادہ پردہ قادر نہ تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو باوجود فضیلت کے ملا، تو وہ حضرت خضر علیہ السلام معقول کی برابر بھی اس علم کا شفق کو پیدا کر سکے، پس آفتاب و مانتاب کو تو اس بہت وسعت نور پر بنایا، اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔

اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زاد اس معقول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں، اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں، بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کتب قابل التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے، بلکہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا، فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں: وَاللّٰہُ لَا اَدْرِیْ مَا یَخْتَلُیْ فِیْ وَلاَ یُکْمِلُ، الحمد للہ، اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ تمکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور مجلس نزاع کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا۔

سے جس مسئلہ حضرت نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے، اور مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالم گیرہ دورِ فخر وغیرہ میں ہے کہ

تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے، تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مولف بھی شیطان سے افضل ہیں، تو مولف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر تو علم غیب، برہم خود ثابت کر دیوے۔ اور مولف خود اپنے دہم میں تو بہت بڑا اکل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعظم من الشیطان ہو گا! معاذ اللہ! مولف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکال کس قدر دور از علم و عقل ہے۔

الحاصل عز کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو کھٹکانے کا غرض نہیں بلکہ دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نفس سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نفس قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (ص ۵۰-۵۱)

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ساری زمین کا ممانت کرنے کو جو شرک کہا ہے، اس سے مراد علم ذاتی ہے، عطائی نہیں، خود حضرت اسی بحث کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

» اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کس کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا کہ جملہ کلام عقیدہ ہے، اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے، تو شرک تو نہیں، مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں، اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب نصیحت کا ہے۔ « (براین قاطعہ ص ۵۲/۵۳)

الغرض براین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا ہے وہ علم ذاتی ہے جس کے بارے میں خود وہاں صاحب بریلوی خالص الاعتقاد میں لکھتے ہیں کہ:-

» علم ذاتی اللہ عز و جل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ «
(خالص الاعتقاد ص ۲۶ بحوالہ السحاب الدرار)

عاشیہ علیہ السلام کا لڑکھانہ کرے! شہادت حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کے، کافر ہو جاتا ہے، بسبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم علیہ السلام کی نسبت، براین قاطعہ ص ۴۹۔
سلف کو یقین کے لئے۔

مسکت جواب

یہ خاں صاحب کے الزام کا تحقیقی جواب ہے اور مسکت جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ کیا، اپنی کسی بھی تصنیف میں نہیں لکھا ہے کہ شیطان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، بلکہ اس کے برخلاف حضرت نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ! شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، وہ کافر و مرتد اور ملعون ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ المہند علی الفند میں اہل حرمین کے ایشیوٹس سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

”اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، حکم و اسرار و غیرہ کے متعلق مطلقاً نافی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلا شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے، اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ، شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟“ (المہند علی الفند ص ۲۵)

نیز حضرت مولانا رفیع الحسن صاحب چاندپوری نے خاں صاحب بریلوی کے الزام کے تعلق سے حضرت قدس سرہ سے چند سوالات کئے تھے، حضرت نے ان سوالوں کا جواب تحریر فرمایا ہے اس میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے وہ کافر و مرتد ہے وہ سوال و جواب یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استقمار

بخدمت شریف قدوم و مکرم جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب، مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ساکن، انجیلہ دامت برکاتہم۔

بعد عرض نتیجہ مافقرہ عرض ہے، مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حسام الحرمین میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے“ اور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا اس مضمون کی آپ نے براہین قاطعہ یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے؟
(۲) اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم کے استدلال کیا گناہ بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ مضمون صراحتہ مفہوم نہیں ہوتا اور لزوماً مفہوم ہوتا ہے تو یہ معنی آپ نے مراد لئے ہیں یا نہیں؟

(۱۴) اگر مضمون آپ نے نہ صراحتاً بیان فرمایا نہ اشارتاً نہ کیا آپ کے کلام کو لازم، نہ آپ کی مراد کو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا کہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایسی کلم زیادہ ہے اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟

(۱۵) جس عبارت کو خاں صاحب برائین قاطعہ سے نقل کرتے ہیں اور اس مضمون مذکورہ کو اس کا معاد صریح بیان کرتے ہیں، اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ یٰلَیْلُوْا تَوَجُّوْا، بندہ محمد قطعی حسن عقی عتہ ومنہ الوصول الی العوَاب۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جو بندہ بجا الزام الجواب لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے، میں اور لغو ہے، میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا، کسی مخلوق کو بھی جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں زیادہ کہے، چنانچہ براہین کے حصہ میں یہ عبارت موجود ہے: پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فرخا عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کلمات میں کسی کو مائل آپ کا نہیں جانتا، انتہی،

خاں صاحب بریلوی نے کچھ پر غرض انتہام لگایا ہے، اس کا حساب روز جزا ہوگا، یہ کفری مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، برائین کی کسی عبارت میں نہ صراحتاً ہے نہ زکاۃ، اور جس عبارت کو خاں صاحب برائین سے نقل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ یہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فرخا عالم علیہ السلام کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے، برائین حصہ ۱ اس بحث میں یہ عبارت بھی برائین کی ملاحظہ ہو: تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فرخا عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلادیا، اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے، برائین حصہ ۴، پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت و خیرہ عطا فرمایا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں، برائین ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ عبارات مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نفوذِ باشرِ شیطان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مساوی بھی ہو، چہ جائیکہ زیادہ! بلکہ عبارات مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی جس قدر علم ان کو باعطاۃ الہی ملا ہے) نص سے ثابت ہے، فرخا عالم علیہ السلام کی وسعت علم (یعنی وسعت ذاتی) کی کوئی نص قطعی ہے؟ (جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذاتی بغیر عطاۃ الہی حاصل ہے) جس سے تمام نصوص کو

دور کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

یہ عبارت ایسی صاف ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین، نہ شیطان کی فضیلت، نہ شایہ مویٰ احمد رضا خاں صاحب اور ان کے ہواخواہ یہ فرما دیں کہ یہ مطلب کہاں سے نکال لیا گیا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثبات کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلہار کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جائے کہ حق تعالیٰ الملاء دے کر حاضر کر دیتا ہے تو مشرق نہیں، مگر بدوَن ثبوت شرعی کے یہ عقیدہ درست بھی نہیں، اور بدوَن حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے، انتہی اس صاف اور صریح عبارت کے بعد بھی کیا کسی شخص کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے۔

غرض خاں صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے، مجھ کو تو مدت العمر کبھی دوسرے بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کی کوئی دلی فرستہ بھی آپ کے علوم کی برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو، یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ خاں صاحب سے روز جزا ہوگا، میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک و کفنی بالشر شہیداً اہل اسلام عبارتیں براہین کو بغور ملاحظہ فرمادیں، مطلب صاف اور واضح ہے، حررہ خلیل احمد (الصاب المرداری فی توضیح اقوال الانبیاء مصنفہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری ۱۳۵۷ھ)

ایک سو سو کا ازالہ ملا وہ ازین براہین قاطعہ کی عبارت میں نہ مطلق علم کی بحث ہے، نہ علوم نبوت اور علوم کما لہ کی بحث ہے، بلکہ قرآن کے علم کی بحث

ہے، جس کو نہ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق، نہ اس پر کیا ہی انسانی کا مدار، ایسے علوم غیر کما لہ اگر انبیائے کرام کو عطا ہوں اور دوسری مخلوق کو دئیے جائیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور نہ اس سے انبیائے کرام کی شان میں کوئی کمی آتی ہے، جیسے ایک فقیر کے گھر میں پیٹھے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز و سامان ہو، اور شاہی خزانہ میں یہ چیزیں نہ ہوں، بلکہ نعل و جواہر اور قیمتی کپڑے اور عمدہ ساز و سامان ہو جو شاہی خزانہ کے مناسب ہے، تو اس سے شاہی خزانہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ پیٹھے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز و سامان کا شاہی خزانہ میں ہونا جس طرح شاہی خزانہ کی شان کو گھٹاتا ہے، اسی طرح علوم شیطانی کی انبیائے کرام کی طرف نسبت کرنے میں انبیائے کرام کی شان کو گھٹاتا ہے۔

الغرض جو علوم شان نبوت سے تعلق نہ رکھتے ہوں، وہ اگر انبیاء کرام کو حاصل نہ ہوں،

اور غیر انبیاء کو حاصل نہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور معاذ اللہ! علوم شیطانی میں بھی اُن کا انبیاء کرام کا علم شیطانی باتوں کو بھی محیط ہونا چاہئے، اور معاذ اللہ! علوم شیطانی میں بھی اُن کا دائرہ سب سے وسیع ہونا چاہئے، خالص شیطانی دوسرے ہے جو صرف ان کو ردِ باغوں کو ہو سکتا ہے، جو علوم نبوت اور علوم شیطنت میں فرق نہ سمجھتے ہوں اور ان کے نزدیک گھٹی اور گورہ میرے اور پیچہ کی قیمت ایک ہو، دیکھئے! رضا خانیوں کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اس فرق کا لحاظ کرتے ہوئے انوارِ سامعہ میں لکھتے ہیں کہ:

”اور تمنا ہے کہ اصحابِ محفلِ میلادِ تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک، مجالس مذہبی وغیرہ مذہبی میں حاضر ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا تو اس سے بھی زیادہ ترمقعات پاک ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔
(انوارِ سامعہ ج ۱ برائین قاعدہ ص ۵۲/۵۳)

اب رضا خانی حضرات غور کر کے بتائیں کہ ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابلیس کی برتری اور وسعت کو تسلیم کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی یا نہیں؟ رع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

غفلت،
کمال لیا
ہو ص ۳۳
ہزار کا عقیدہ
تشرعی کے
کا ہے، انتہی
ہے۔

باہر، مجھ کو تو
برابری کر کے
فرخالص ہے
کی بات شہید
خیل احمد
(۵۲/۵۳)

لی بحث ہے،
کے علم کی بحث
مدار، ایسے علوم
میں کوئی مضائقہ
مگر میں پیچھے پڑنے
وجہ اور قیمتی
ای خزانہ کی شان
ہی خزانہ میں ہونا
کی طرف نسبت

حاصل نہ ہوں،

پہلا بہتان

پہلا بہتان

عظیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ پر رضا خانیوں نے ایک بہتان یہ باندھا ہے کہ حضرت تھانوی نے ”حفظ الایمان“ میں صراحتاً لکھا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچہ اور پاگل بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے، خاں صاحب بریلوی ”حسام الخرمین“ میں لکھتے ہیں کہ:

”اور اس فرزندِ دہلیزِ شیطانہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دُم چھلوں میں ہے، جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں۔ اس نے ایک جھوٹی سی رسیلیا تصنیف کی، چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل بلکہ ہر جانور اور چوپائے کو حاصل ہے، اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے کہ:

بلکہ ہر جا اور چاہے وہاں ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ صحیح ہو تو دریافت طلبیدار مرے
 ”آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صبح ہو تو دریافت طلبیدار مرے
 کہ اس غیب سے کیا مراد ہے؟ بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں
 حضورؐ کی کیا تخصیص ہے؛ ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر جس و جنون بلکہ سچے حیوانات و بہائم
 کے لئے بھی حاصل ہے۔۔۔۔۔ الی قول۔۔۔۔۔ اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ
 اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے“

میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو! یہ شخص کیسے برابری کر رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جن میں سے، (حسام المظہین ص ۲۱)

جواب: تیسرا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

حفظ الایمان کی عبارت یہ ہے: اور (زید) کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں: بالذات، اس معنی کہ عالم الغیب خدا نے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، اور بواسطہ اس معنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے، زید کا یہ استدلال اور عقیدہ اور عمل کیسا ہے! حفظ الایمان

حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنا جائز نہیں، اور اس کی دو دلیلیں تحریر فرمائی ہیں، پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی مجاورہ میں "عالم الغیب" صرف اسی ہستی کو کہا جاتا ہے جس کو ذاتی طور پر بلا واسطہ غیب کا علم ہو اور یہ شان صرف اللہ جل جلالہ کی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنا موزوں شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہنے والا اگر اس لئے "عالم الغیب" کہتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیب کا تفصیل علم ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ہے، تو یہ خیال قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے اس کی بنا پر کسی کو "عالم الغیب" کہنا درست نہیں، اور اگر تمام غیب کی وجہ سے نہیں، بلکہ بعض غیبوں کے جاننے کی وجہ سے

یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہتا ہے، اور اس کا یہی نظریہ ہے کہ جس کو کبھی غیب کی کچھ باتوں کا علم ہو اس کو "عالم الغیب" کہہ سکتے ہیں، تو پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب یعنی غیب کی کچھ باتوں کا علم تو ہر کس و ناکس کو حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے، پس اس غلط نظریہ پر یہ لازم آئے گا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر انسان کو بلکہ ہر حیوان کو بھی "عالم الغیب" کہا جائے، دوسری دلیل کی عبارت (جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) یہ ہے۔

"پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے، کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ تو چاہئے کہ سب کو "عالم الغیب" کہا جاوے، پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ان میں سب کو "عالم الغیب" کہوں گا، تو پھر علم غیب کو مفہوم کمالاتو نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر پر مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟ اور اگر التزام دیکھا جاوے تو نبی، غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔ اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔" (حفظ الایمان ص ۹ امدادیہ دیوبند)

خود حضرت تھانوی قدس سرہ "نبط البنان" میں اس عبارت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں،
 "وہ عبارت جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے، دوسری دلیل کی ہے جو اس لفظ
 سے شروع ہوتی ہے۔" پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر "مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدسہ پر
 علم غیب کا حکم کیا جاتا، یعنی محض اس بنا پر کہ آپ کو علوم غیبیہ بواسطہ حاصل ہیں۔ آپ کو وہ عالم الغیب
 کہنا اگر صحیح ہو تو اس سے اگر کل غیر متناہیہ مراد ہوں تو وہ نقلاً و قطعاً محال ہے، اور اگر بعض علوم
 مراد ہوں تو وہ ایک ہی چیز کا علم ہو، اور گوہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو، تو اس میں حضور سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو وغیرہ کے لئے بھی حاصل ہے۔
 تو لفظ "ایسا" کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا علم واقع میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے
 نفوذ باشر منہا، بلکہ مراد اس لفظ "ایسا" سے وہی ہے جو اد پر مذکور ہے، یعنی مطلق بعض علم گوہ
 ایک ہی چیز کا ہو، اور گوہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو، کیوں کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا ہے کہ بعض سے مراد
 عام ہے، اور عبارت آئندہ بھی اس کی دلیل ہے، وہو قول "کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات
 کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے، پس اگر زید ہر مخفی ادنیٰ چیز کے علم حاصل ہونے کو بھی
 "عالم الغیب" کے المطلق صحیح ہونے کا سبب بتلاتا ہے، تو زید کو چاہئے کہ ان سب کو "عالم الغیب"
 کہا کرے، کیوں کہ ان کو بھی بعض مخفی چیزیں معلوم ہیں۔ خود اس عبارت میں سرسری نظر کرنے سے
 یہ مطلب پورا ہے۔

پھر اس عبارت سے چند سطر بعد دوسری عبارت میں تصریح ہے کہ نبوت کے لئے
 جو علوم لازم و ضروری ہیں وہ آپ کو بہت کم حاصل ہو گئے تھے، انصاف
 شرط ہے جو شخص آپ کو جمع علوم عالیہ شریعہ متعلقہ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے، کیا وہ نفوذ باشر! زید
 و عمرو صبیحون و یونان کے علم کو مداخل آپ کے علم کے بتلا دے گا! کیا زید و عمرو وغیرہ کو یہ علوم
 حاصل ہیں؟ یہ علوم تو آپ کے مثل دوسرے انبیاء و ملانگ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں
 اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عبارت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مشابہ
 معاذ اللہ! علم زید، عمرو وغیرہ کو نہیں کیا گیا اور لفظ "ایسا" ہمیشہ تشبیہ
 کے لئے نہیں آتا، بلکہ اہل لسان اپنے محاورات فصیحہ میں بولتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے۔"
 مثلاً، تو کیا یہاں خدا تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسروں کے قادر ہونے سے تشبیہ و بیما مقصود ہے؟
 ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس شق پر جو محذور لازم کیا گیا ہے، اس میں

اس سے ثابت ہوا کہ

رجوع کرتے ہو وہ بوزِ تعالیٰ شیعہ سنت ہے۔ اور ان کے میدان کا کلہ پڑھتے ہیں اور ان پر مولانا شرف علی بخت در سالات کے دعوے دار ہیں، اور ان پر درود بھیجتا ہے اس کو بجائے کافر کہنے درود شریف بھیجتے ہیں، اور جو ان کا کلہ پڑھتا ہے، لہذا وہ بھی کافر و مرتد کیوں کہ رضا با لکھنؤ کے تعلق دیتے ہیں، گویا اس کے کفر پر وہ خوش ہیں، لہذا وہ بھی کافر و مرتد کیوں کہ رضا با لکھنؤ کے جواب سے پہلے خواب کی تفصیل جانتا ضروری ہے، خود خواب دیکھنے تمہیں خواب

والے کے الفاظ میں خواب کی تفصیل یہ ہے۔
 "ایک روز کا ذکر ہے کہ حسن العزیز" دیکھ رہا تھا، اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جائے کا ارادہ کیا، رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا، لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہو گئی، اس لئے رسالہ حسن العزیز کو اٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا، کچھ عرصے بعد خواب دکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، لیکن مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کہ کلمہ شریف پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہئے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے لیکن زبان سے بیساختہ بجائے رسولِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشراف علی کل جان ہے، حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں، لیکن بے اختیار زبان سے یہی نکل نکلتا ہے۔ دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے، لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجھ اس کے کرخت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک بیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا، لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثر نا طاقتی بدستور تھا، لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور کا ہی خیال تھا، لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور پھر دوسری کر دٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں، لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَسَلَّمَ علی حالِ اعواب پیدا ہوں، خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں، اس روز ایسا کچھ خیال ہوا تو دوسرے

روزِ بیماری میں رقت رہی، خوب پیادہ بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ باعثِ خُبت ہیں!

اس واقعہ میں تسلی سنی تھی جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ منفعی سنت ہے!

جواب ۲۳ ر شوال ۱۳۳۵ھ (رسالہ اللہاد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ ۳۵/۲۴)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خواب کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے، اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے جس کو ”تفسیر“ کہتے ہیں کبھی تو بڑا اچھا ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت اور تفسیر بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے، اور لہذا اوقات خواب وحشت انگیز اور حراب دکھائی دیتا ہے مگر اس کی تفسیر بڑی اچھی اور خوش کن ہوتی ہے، اس قسم کے دو تیس خواب ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ رات میں نے ایک بُرا خواب دیکھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ خواب کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہ بہت سنگین ہے، آپ نے فرمایا بتاؤ تو وہی وہ کیا ہے؟ حضرت ام الفضل نے عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ذَاتِ خَيْرٍ، بَلَدٌ فَاطِمَةُ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ

عَلَامًا يَكُونُ فِي جَعْرِكَ (شکوہ ۴۵) لختِ عجبِ خاطرِ ایک لڑکا ہے گی جو تنہا رہی
گود میں ہو گا۔

۲) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب مکتب میں پڑھتے تھے، اس وقت انھوں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں پہونچ کر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کو ملایا۔ یہ پریشان کن اور وحشت انگیز خواب امام صاحب نے اپنے مستاذ مخرم کو بتایا۔ مستاذ مخرم نے تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی یہ خواب تمہارا ہے تو تم نہایت غم کی کھود کرید کر کے سہت نبوی کی پیروی کرو گے،

مختلف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ الجزائر الحسان ص ۴۳، مناقب کردری ص ۳۳ جلد ۱
فتاویٰ السیادہ ص ۹۲ جلد ۱ اور خطیب کی تاریخ بغداد ص ۳۲۵ جلد ۱۳ مہری میں موجود ہے

(۳) تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی دُیّہ خاتون نے یہ خواب دیکھا کہ بہت سے آدمی جمع ہو کر سب باری باری اس سے جماع کرتے ہیں، جب بیدار ہوئی تو بہت پریشان ہوئی، گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی، آخر کار جب خواب کی تعبیر سامنے آئی، تو معلوم ہوا کہ ان سے کوئی ایسا کام وجود میں آئے گا جس سے بے شمار لوگ فیض یاب ہوں گے، چنانچہ انھوں نے نہر زبیدہ، گھدوانی جو عراق عرب کے ایک بہت بڑے حصّہ کو سیراب کرتی ہے، اور بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیکھیے! یہ تمام خواب بظاہر کتنے خراب اور پریشان کن ہیں، لیکن ان کی تعبیر کس قدر اچھی اور خوش کن ہے۔

جواب

خواب ہمیشہ خند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے، اور نیند کی حالت میں جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں، شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کسی کی زبان سے نیند کی حالت میں کفریہ کلمات سرزد ہوں تب بھی اس پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا، کیوں کہ وہ شخص شرعاً مرفوع القلم ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُسْلِمِ حَتَّى يَكْفُرَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَكْبُرَ (جامع ص ۲۳)

تین شخص مرفوع القلم ہیں، ایک سونے والے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے، دوسرا جنوں میں مبتلا، یہاں تک کہ اس کو افاقہ ہو، اور تیسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔

اور علامہ ابن عابدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وَفِي النَّعْرِ يُرَى وَتَبْلُغُ عِبَادَةُ مَبْنِئِ الْإِسْلَامِ وَالزُّدَّةِ وَالطَّلَاقِ وَلَمْ تَوْصَفْ بِخَيْرٍ وَالنَّاسُ وَصِدِّي وَكَذِّبْتُ كَالْهَاتِي الطُّيُورِ (شافعی ص ۲۷) جلد ۲ تحت قولہ وَالنَّاسُ جَدُّ مُطْلَقٌ فِي طَلَقِ الدَّهْشِ

تحریر الوصول میں ہے کہ سونے والے کی باتیں مثلاً اسلام لانا، مرتد ہو جانا، اور طلاق دینا سب باطل اور لغو ہیں، سونے والے کی باتوں کو نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ یہی کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹی جیسے پرندوں کی آواز کیونکہ خبر کہہ سکتے ہیں نہ انشاء نہ سچا نہ جھوٹا)

آگے مزید فرماتے ہیں کہ:

وَمِنْهُ فِي التَّرْجُحِ، فَهَذَا صَرِيحٌ فِي
أَنَّ كَلَامَ النَّاسِ لَا يَمُتِي كَلَامًا نَفْعًا وَلَا شَفَا
يَسْتَوِلُّهُ الْمُهْمِلُ (حوالہ بالا)

اور کلام میں بھی ایسا ہی ہے پس یہ عبارت اس
سلسلہ میں صریح ہے کہ سونے والے کے کلام کو
نہ لغوی اعتبار سے کلام کہہ سکتے ہیں نہ شرعی
اعتبار سے جیسے ہبل لفظ کو کلام نہیں کہہ سکتے

اس طرح بیداری کی حالت میں بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر زبان سے جو باتیں سرزد
ہو جاتی ہیں، گو وہ بات کفر ہی کیوں نہ ہو، اس پر کفر و ارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا، مخدوم رسول
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ،
"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو کسی بے آب و
گیاہ بیابان میں سفر کر رہا ہو، اور اچانک اس کی سواری کا اونٹ جس پر اس کے کھانے پینے کا
سامان بھی لدا ہوا ہے گم ہو جائے، اور وہ تلاش بسیار کے بعد ناامید ہو کر کسی درخت کے سائے
میں آئیے، پھر اس کا امیدی کی حالت میں اچانک دیکھے کہ اس کا اونٹ مع ساز و سامان کے اس کے سامنے
کھڑا ہے پھر اس کی لگام پکڑ کر فرط مسرت میں کہتا ہے۔ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا دَبَابُكَ، اے
اللہ! آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں!

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
أَخْطَاؤُنَّ سِتْرٌ مِنَ الْفُرُجِ (مشکوٰۃ ص ۲۰) بے انتہا خوش کیوہے اس سے خطا ہو گئی
یعنی بے چارہ کہن تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ! آپ میرے رب ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں مگر
بے انتہا خوشی کی وجہ سے زبان قابو میں نہ رہی، اور بلا قصد و ارادہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان
سے یہ بات نکل گئی کہ اے اللہ! آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔

دیکھیے! یہ شخص نہ دیوانہ ہے نہ سویا ہوا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بیداری کی حالت میں کہہ
رہا ہے، مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کفر کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اَخْطَاؤُنَّ سِتْرٌ
عزیز دہا کہ اس کو بے گناہ قرار دیا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بیداری کی حالت میں بھی اگر زبان سے بلا قصد و ارادہ
غیر اختیاری طور پر کوئی کفریہ بات سرزد ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا،
مگر اسے کلام نہ بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ:
وَالْأَمْرُ بِالْإِسْلَامِ، إِذَا جَرَى عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةٌ غَالِيَةٌ فِي زَبَانٍ بِرَجَبٍ بِلَا قِصْدٍ وَارَادَةٍ كَفَرٌ بِأَنَّ

جاری ہو جائے اس طرح کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا تھا جو کفر نہیں ہے، لیکن بلا قصد و ارادہ اس کی زبان پر کفر کی بات جاری ہو گئی تو تمام فقہار کے نزدیک وہ کفر نہیں ہوگا۔

اور غامی وہ ہے جس کی زبان پر بلا قصد و ارادہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ جاری ہو جائے

الْكُفْرُ حَقًّا فَإِنْ كَانَ أَذَانُكَ يَكْفُرُ بِمَا يَسْمَعُ
يَكْفُرُ بِجُرْيٍ عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةً الْكُفْرُ حَقًّا
لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ كُفْرًا عَنِ الْكُفْرِ.....

وَالْغَامِي مَنْ يَجْرِي عَلَى لِسَانِهِ مِثْلُ
عَنْدَرٍ قَصِيدَةٍ كَلِمَةً مَكَانَ كَلِمَةٍ.

رقادوی مالگیری کا قاضی خان ص ۱۵۵ جلد ۳ کتاب السیر باب یحییٰ کفر من السلم والاکوین،
رقادوی مالگیری کا قاضی خان ص ۱۵۵ جلد ۳ کتاب السیر باب یحییٰ کفر من السلم والاکوین،
سابقہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہئے! کہ جو شخص خود چلا چلا کر کہتا ہے کہ: بے اختیار
ہوں، مجبور ہوں، زبان قابو میں نہیں، اور اس پر تبدیلیں روتا بھی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا کس کا
کام ہے؟ اور جب خواب دیکھنے والا کافر نہیں تو رضا بالکفر (کفر پر خوش ہونے) کا ثبوت کس طرح ہوگا؟
اور حضرت تھانوی قدس سرہ کیوں کر کافر قرار پائے؟ کُبْرُوتِ کَلِمَةٍ تَخْرِجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ
یَنْعَزِلُ عَنْ كَرْتِهِمْ کہتا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے اس چیلے سے کہ "جس کی طرف تم رجوع
کرتے ہو وہ بدوہ ہونے والی متعنت ہے" نبوت و رسالت کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے یا اثبات؟
جو شخص اپنے آپ کو متعنت کہہ رہا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنا اپنے لئے
باعثِ نجات سمجھتا ہے، اس پر بدعتی نبوت ہونے کا الزام لگانا کتنا بڑا ظلم اور صریح بہتان
ہے۔!! سُبْحَانَكَ هَذَا أَجْهَنُكَ عَظِيمٌ!!

بجائے الکاہر کی اہم اور بنیادی عبارتوں کے مطالب اور رضا خانیوں کے الزاموں کے جوابات
تفصیل سے پیش کر دیئے گئے، ان کے علاوہ الکاہر کی دیگر عبارتوں پر رضا خانی جو اعتراضات کرتے ہیں
ان کے جوابات آپ کے لئے چنداں مشکل نہیں، اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے، اور اخیر میں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حدیثیں پیش کر کے اس محاذ پر کو ختم کرتا ہوں۔

① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَيُّهَا أَهْلُ قَالِ لِي أَحِبِّي كَأَنِّي فَقَدْ بَاءَ بِهَا
أَحَدُهَا، مَتَّقِ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ شریف)
ص ۱۳۳ بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ
جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یقیناً
ان دونوں میں سے ایک اس کلمہ (کے وبال)
کے ساتھ ٹوٹتا ہے۔

② حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ:

لَا يَزِيحُنِي رَجُلٌ وَجَلًّا بِالنُّسُوقِ وَلَا يَمِيحُنِي
بِالْكُفْرِ إِلَّا أُرْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ
صَاحِبَهُ كَذَلِكَ (۵۵) البخاری (حوالہ بالا)

کوئی شخص کسی شخص پر نُسُوق کی تہمت لگاتا ہے
نہ کفر کی مگر وہ (تہمت) تہمت لگانے والے
پر لوٹ جاتی ہے اگر اس کا ساتھی اس طرح کا نہ ہو

③ نیز حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ عَدُوًّا لِلدِّينِ
وَكَيْسَ كَذَلِكَ الْأَحَادَ عَلَيْهِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
(حوالہ بالا)

جو شخص کسی کو کفر کے ساتھ پکارے (یعنی کافر کہے)
یا کہے خدا کا دشمن! حالانکہ وہ شخص اس طرح کا
نہیں تو وہ بات اس پر لوٹ جاتی ہے۔

ان تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر، فاسق یا خدا کا دشمن کہا ہے اگر واقع میں وہ
ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال کہنے والے پر ہوگا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَهَدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ
لَا بَنِي بَعْدَهُ،

محمد امین پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ